محرم الحرام ۱۴۴۰ھ
ستمبر ۲۰۱۸ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- حقیقتِ ایمان (مطالعۂ قرآن حکیم)
- محرم الحرام کی عظمت، فضائل اور احکام
- علامہ محمد اسدؒ کا قبولِ اسلام

داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر

خاص ایڈیشن
- دیدہ زیب ٹائٹل
- امپورٹڈ آفسٹ پیپر
- بڑے سائز میں
- عمدہ طباعت
- مضبوط جلد

سات جلدوں پر مشتمل
مکمل سیٹ کی قیمت: 4000 روپے

عوامی ایڈیشن
- کتابی سائز
- پیپر بیک بائنڈنگ
- امپورٹڈ بک پیپر
- عمدہ طباعت
- دیدہ زیب ٹائٹل

چھ جلدوں پر مشتمل
مکمل سیٹ کی قیمت: 2200 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 67

شمارہ : 9

محرم الحرام 1440ھ

ستمبر 2018ء

فی شمارہ -/30

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک 300 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ای میل برائے ادارتی امور: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: **www.tanzeem.org**

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 79-35473375 (042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرض احوال — 5
اسرائیل ایک نسلی ریاست — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القُرآن — 9
سورۂ یٰسٓ (آیات ۱ تا ۳۲) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ قرآن حکیم — 21
حقیقتِ ایمان — شجاع الدین شیخ

انوارِ ہدایت — 31
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

حقیقتِ دین — 37
حیاء: باطنی زندگی کا دوسرا نام — حافظ عطاء الرحمٰن

شَهرُ اللّٰہ — 43
محرم الحرام کی عظمت، مسائل وفضائل اور احکام — پروفیسر عبدالعظیم جانباز

دعوتِ فکر — 56
رضا بالجبر — مسز بینا حسین خالدی

من الظُّلمٰت الَی النُّور — 65
علامہ محمد اسدؒ (۱۹۰۰ـ۱۹۹۲ء) — ڈاکٹر جوہر قدوسی

تعلیم و تعلّم — 77
کہاں سے آئے صدا لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ! — پروفیسر عبداللہ شاہین

فقہ و اصول فقہ — 83
اصلی اور فرعی مسائل میں مخالفین کے ساتھ برتاؤ کرنے کے فقہی ضابطے — ڈاکٹر احمد بن سعد الغامدیؒ

افکار و آراء — 93
ہمت ہے تو پیدا کر فردوسِ بریں اپنا! — انیسہ مُنعم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسرائیل ایک نسلی ریاست

۱۹جولائی کو اسرائیلی پارلیمنٹ نے قانون پاس کیا ہے جس کو انہوں نے Basic Law قرار دیا ہے۔ اس قانون کا نام جیوش نیشن سٹیٹ لاء (Jewish Nation-State Law) ہے۔ یہ تو قارئین جانتے ہوں گے کہ اسرائیل کا کوئی باقاعدہ تحریری آئین نہیں ہے' وہ تورات کو اپنا آئین کہتے ہیں۔ جیوش نیشن سٹیٹ لاء کی عبارت بڑی مختصر مگر جامع ہے۔ اسے اسرائیل کا آئین قرار دیا جا سکتا ہے۔ عالمی تجزیہ نگاروں نے اس قانون کو نسل پرست قانون قرار دیا ہے۔ اسرائیلی ایک عرصہ سے اپنی پارلیمنٹ جسے وہ ''کناسا'' کہتے ہیں' سے یہ قانون پاس کروانا چاہتے تھے' لیکن یہ بات آڑے آ جاتی تھی کہ دنیا کا اس پر کیا ردّعمل ہوگا؟ کیونکہ عالمی سطح پر نسل پرستی کو ایک جرم سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک بین الاقوامی جرم ہے۔ زیادہ پرانی بات نہیں کہ اسی بنا پر جنوبی افریقہ کا ساری دنیا نے بائیکاٹ کیا ہوا تھا۔ بالآخر جنوبی افریقہ کی یہ نسل پرست حکومت ختم ہوگئی' یعنی وہاں نسل پرستی کی بنیاد پر بنے ہوئے قوانین ختم کر دیے گئے۔ ہم چاہیں گے کہ ہمارے قارئین اس کالے قانون کے چند بنیادی نکات جان لیں۔

(۱) استصوابِ رائے میں صرف یہودی حصہ لیں گے۔ اسرائیل کو یہودی قوم کی تاریخی سلطنت قرار دے دیا گیا ہے۔ گویا یہودیوں کے علاوہ دوسرے تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے عوام دوسرے درجہ کے شہری سمجھے جائیں گے اور تمام معاملات صرف یہودی طے کر سکیں گے۔

(۲) یہودی آبادکاریاں (settlements) اسرائیل کے قومی مفاد کا اہم جزو ہوں گی۔ یہاں یہ بات سمجھ لینا ہوگی کہ غیر یہودی عربوں اور یہودیوں کے مابین فساد کی اصل جڑ یہی یہودی آبادکاری ہے اور یہ عالمی قوانین کی بھی خلاف ورزی ہے۔ دراصل یہ قانون دو ہزار سال سے بکھرے ہوئے یہودیوں کو فلسطینیوں کی زمینوں پر جمع کرنے کی ایک کوشش ہے۔

(۳) تقسیم شدہ نہیں' پورا یروشلم اسرائیل کا دارالخلافہ ہوگا۔

(۴) عبرانی زبان اسرائیل کی سرکاری زبان ہوگی۔ عربی خصوصی سٹیٹس کی زبان ہوگی' یعنی سرکاری سطح پر اسرائیل میں عربی زبان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ حالانکہ اسرائیل میں خاصی بڑی تعداد میں غیر یہودی عرب بستے ہیں۔

(۵) یہودیوں کے قومی شعائر یہ ہوں گے: (i) اسرائیلی جھنڈا (ii) مینورا (یہودیوں کی ایک خاص موم بتی جو وہ مذہبی رسومات میں استعمال کرتے ہیں) (iii) یہودی مذہبی تعطیلات (iv) ماطقوا (وہ قومی ترانہ جو کہ ۱۸۹۷ء کی پہلی عالمی صہیونی کانفرنس میں ترتیب دیا گیا تھا) (v) عبرانی کیلنڈر (سال کا آغاز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے جانے والے وقت سے ہوتا ہے) (vi) اسرائیل کا یوم آزادی (۱۴مئی ۱۹۴۸ء)

اس نوعیت کی قانون سازی یہودیوں کی پرانی سوچ اور خواہش تھی' لیکن امریکہ جیسی سپرقوت کے سابقہ صدور اُن سے متفق ہونے کے باوجود یہ جرأت نہ کر سکے کہ اس حوالہ سے وہ اسرائیل کی کھلم کھلا پشت پناہی کریں۔ ڈونلڈ ٹرمپ جس کا ذہین داماد جیرڈ کُشنر ایک انتہا پسند سوچ رکھنے والا صہیونی ہے اور صدر ٹرمپ کا نہ صرف اہم ترین مشیر ہے بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصلاً وہی وائٹ ہاؤس سے آپریٹ کر رہا ہے' اور ہماری رائے میں ٹرمپ کو امریکی صدر بنانے کی اہم وجہ یہ تھی کہ اس طرح عالمی حالات اور ردّعمل کی پروا کیے بغیر امریکہ اسرائیل کی اندھا دھند مدد کر سکے گا۔ حالانکہ یہ نیا قانون بین الاقوامی قوانین کی سپرٹ کے واضح طور پر خلاف بنایا گیا ہے۔ اس سے نسل پرستی کے خاتمے کا قانون زیرو ہو جاتا ہے۔ اقوام متحدہ کے قانون کے مطابق تو نسل پرست ریاست کے خلاف سزا مقرر ہے۔ پھر یہ کہ یو این او کے چارٹر کی دھجیاں اُڑا دی گئیں' بنیادی حقوق کا قانون تہ و بالا ہو گیا۔ غور کیا جائے تو اس قانون کے بعد جنیوا کنونشن تو بے معنی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ قانون درحقیقت اقوام متحدہ اور اُس کے قوانین اور ضوابط کو بُری طرح ٹھکرا دینے کے مترادف ہے۔ اقوام متحدہ کے چھوٹے چھوٹے قوانین یا ضابطوں کی خلاف ورزی پر چیخ اٹھنے والے' اسرائیل کی اس کھلی اور اعلانیہ بغاوت پر خاموش ہیں' گویا سب کو سانپ سونگھ گیا ہے۔

کہاں ہیں گلوبلائزیشن اور دنیا کو ایک ایسی زنجیر سے باندھنے کے دعوے' جس کی ہر کڑی کے ذریعے سے دنیا کے تمام ممالک کو جوڑا گیا تھا؟ جمہوریت جو آج کا عالمی دین ہے' اُس کو تہس نہس کر دیا گیا۔ سیکولرازم کے علمبرداروں کی نگاہوں کے سامنے سیکولرازم کو دفن کر دیا

گیا۔ انسان کو نسل کی بنیاد پر تقسیم کر کے فاشزم کی بدترین مثال قائم کی گئی۔ یہ قانون مساوات اور جمہوری آزادیوں کے منہ پر زوردار تھپڑ ہے' یہ جمہوریت اور سیکولرازم کا کفر ہے۔ لیکن اس وقت جدید دنیا کی حالت ایک قبرستان کی سی ہے' خاموشی ہی خاموشی ہے۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے' اسلامی نظام کے قیام کی خواہش رکھنے والوں کا ذکر تو بعد میں آئے گا' آیئے پہلے اُن سیکولرز کا حال پوچھ لیں جن کی زبانیں یہ کہتے کہتے سوکھ گئی ہیں کہ مذہب کا ریاست سے کیا تعلق؟ اُن این جی اوز سے تو پوچھ لیں جو سندھ میں کسی ہندو لڑکی کا مذہب تبدیل کر کے کسی مسلمان سے شادی کرنے پر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتی ہیں۔ جو قادیانیوں کو غیر مسلم کہنے اور غیر مسلموں کو اقلیت کہنے پر سیخ پا ہو جاتی ہیں۔ اُن عاشقانِ جمہوریت سے تو پوچھ لیں جو آزادی اور مساوات کا ڈھول ہر دم پیٹتے رہتے ہیں اور اسرائیل کو مثالی جمہوریت قرار دیتے ہیں' کیونکہ وہاں پولیس وزیراعظم سے پوچھ گچھ کر سکتی ہے۔ مذہبی رواداری کے نام پر اُن مصلحت پسندوں سے تو پوچھ لیں جو کہتے ہیں رام اور رحیم میں کیا فرق ہے اور خدا یا بھگوان ایک ہی بات ہے۔ یہ سب بتائیں کہ اس قانون کے نفاذ کے بعد غیر یہودی کی اسرائیل میں کیا حیثیت ہوگی؟ اُس کے شہری حقوق' اُس کے قانونی حقوق' اس کی اخلاقی حیثیت کیا ہوگی' جبکہ ریاست اُس کی سوتیلی ماں بھی بننے کو تیار نہیں! کیا اسرائیلیوں کے اس نعرے نے کہ Human beings صرف یہودی ہیں' باقی سب Gentiles ہیں' Goiyms ہیں' تحریری اور قانونی حیثیت اختیار نہیں کر لی؟ اور کیا اب قانونی طور پر غیر یہودی انسانیت سے خارج نہیں ہو گئے؟

لیکن.....اور یہ بہت بڑا لیکن ہے کہ.....اگر تحریف شدہ تورات یہودیوں کا آئین بن سکتی ہے تو تا قیامت اصلی اور صحیح حالت میں رہنے والا قرآن پاک ہمارا آئین کیوں نہیں ہو سکتا؟ ہم مسلمان کیوں نہ قرآن اور سنت سے ٹکرانے والے اقوام متحدہ کے قوانین اور ضابطوں کو پاؤں کی ٹھوکر مار کر کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دیں؟ غیر مذہب سے تعلق رکھنے والے کو انسان ہی تسلیم نہ کرنا اگر قابل قبول ہو سکتا ہے تو وہ قانون کتنا قابل قدر ہوگا جو ذمی سے جزیہ لینے کی اجازت کے ساتھ ساتھ اس کی جان' مال اور عزت کی حفاظت کا حکم بھی دیتا ہے۔ جو غیر مذہب کے لوگوں کی عبادت گاہوں کے تقدس کو بھی مجروح نہیں ہونے دے گا۔ جو اس

نظام میں مسلمان کو ترجیح تو دے گا لیکن انسان کا بحیثیت انسان احترام کرے گا۔ جو دوسرا مذہب رکھنے والے سے بھی عہد کو اُسی طرح نبھانے کا تقاضا کرے گا جس طرح اپنے ہم مذہب مسلمان سے وعدہ پورا کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ یقیناً اسلامی نظام' عدل' قابل عمل مساوات اور شائستگی کے دائرے میں آزادی کا پیغام دیتا ہے۔ لیکن باطل نظام کے ذریعے جو قبضہ گروپ عالمی اداروں پر مسلط ہے وہ اسرائیل کے غیر انسانی' غیر اخلاقی' غیر فطری اور بدنیتی پر مبنی قانون کے نفاذ پر تو خاموش رہے گا' لیکن اسلام کے عادلانہ نظام پر یوں جھپٹے گا جیسے بھوکا بھیڑیا کمزور جانور پر جھپٹتا ہے۔

قصہ کوتاہ اسلام دشمن طاغوتی قوتیں زور آور ہیں اور گفتار کا غازی مسلمان کمزور ہے' بہت کمزور' لہٰذا وہ اپنی کمزوری کے جرم کی سزا بھگت رہا ہے۔ لیکن مایوس نہ ہوں' مایوسی کفر ہے۔ حالات کتنے ناموافق ہوں' اسلامی نظام کے خواہشمندوں کو جدوجہد ترک نہیں کرنا ہوگی' بلکہ اپنی اس خواہش کو حقیقت میں ڈھالنے کے لیے اس جدوجہد کو تیز اور تیز تر کرنا ہوگا۔ آج امتِ مسلمہ کی یہ حالت ہماری اپنی غفلتوں اور تن آسانیوں کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں کچھ ناممکن نہیں ہوتا۔ پھر آپ تو کوشش اور جدوجہد کے مکلّف ہیں۔ مسلمان Win-Win Position میں ہے۔ اگر خدانخواستہ نتیجہ اس دنیا میں نہیں نکلتا تو اس حیاتِ ابدی کا اجر تو ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا' جس کا قرآن میں اللہ نے وعدہ کیا ہے۔ اللہ سے زیادہ سچا وعدہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

لیکن یاد رکھیے کہ قائداعظم نے اسرائیل کو مغرب کا ناجائز بچہ قرار دیا تھا۔ اب اسرائیلی پارلیمنٹ نے مذکورہ بل پاس کر کے اسرائیل کا اصل روپ یعنی نسلی ریاست ہونا بھی ثابت کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر نظام باطل کے خلاف ہم غفلتوں اور مصلحتوں کا شکار رہے تو جان لیں کہ دشمن اب صرف ہمیں پسپا ہی نہیں کرنا چاہتا' بلکہ اسرائیل اور بھارت میں ہونے والی قانون سازی بتا رہی ہے کہ امتِ مسلمہ کو نیست و نابود کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اسرائیل میں غیر یہودی نہیں ہوگا' بھارت میں غیر ہندو نہیں ہوگا' اور امریکہ و یورپ صرف عیسائیوں کا ٹھکانا ہوگا' تو ہم مسلمان کہاں جائیں گے؟ ایک ہی راستہ ہے' اللہ کے دین کے نفاذ کے لیے تن' مَن' دھن لگا دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نظام عدل اجتماعی اس دنیا کو بھی جنت نظیر بنا دے گا۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین یاربّ العالمین! ۞۞۞

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ یٰسٓ

تمہیدی کلمات

سورۂ یٰسٓ بالکل منفرد سورت ہے‘ اس کا کوئی جوڑ انہیں۔ مسند احمد‘ سنن ابی داؤد اور دیگر کتب حدیث میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((یٰسٓ قَلْبُ الْقُرْآنِ)) یعنی سورۂ یٰسٓ قرآن مجید کا دل ہے۔ اس حوالے سے اس کی ایک خصوصیت جو واضح طور پر محسوس ہوتی ہے وہ اس کا اسلوب ہے‘ جس کی وجہ سے اسے پڑھنے یا سننے سے انسان اپنی روح کے اندر ایک ارتعاش سا محسوس کرتا ہے جیسے انسان کے سینے میں دل دھڑکتا ہو۔ دوسری خصوصیت جو میری سمجھ میں آئی ہے وہ اس کے مضمون کے اعتبار سے ہے اور اس خصوصیت کے درست ادراک کے لیے ضروری ہے کہ مکی سورتوں کے گروپس کی تقسیم کو ایک دفعہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیا جائے۔ مکی سورتوں کے کُل چھ گروپس ہیں جو مضامین کے اعتبار سے مزید دو دو گروپس پر مشتمل تین ضمنی گروپس میں منقسم ہیں۔ پہلے دو گروپس (ان کے پہلے گروپ میں سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف اور دوسرے گروپ میں سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک چودہ سورتیں شامل ہیں) کی سورتوں کا بنیادی موضوع ایمان بالرسالت ہے۔ درمیانی دو گروپس (ان کے پہلے گروپ میں سورۃ الفرقان سے سورۃ السجدۃ تک آٹھ سورتیں جبکہ دوسرے گروپ میں سورۂ سبا سے سورۃ الاحقاف تک تیرہ سورتیں شامل ہیں) میں اللہ تعالیٰ کی شانِ توحید کو اُجاگر کرنے اور شرک کا رد کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ البتہ آخری دو گروپس کی سورتوں میں ایمان بالآخرت اور بعث بعد الموت کی تذکیر کو مرکزی مضمون کی حیثیت حاصل ہے۔ اس حوالے سے سورۂ یٰسٓ کے بارے میں جو

نکتہ یہاں واضح کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ درمیانی دو گروپس کی اکیس سورتوں میں (جن کا بنیادی مضمون توحید ہے) اس سورت کا مقام بالکل درمیان میں ہے۔ یعنی سورۃ الفرقان تا سورۂ فاطر دس سورتیں ایک طرف اور سورۃ الصّٰفّٰت سے سورۃ الاحقاف تک دس سورتیں دوسری طرف ہیں اور ان کے درمیان میں سورۂ یٰسٓ ہے۔ گویا توحید کے مضمون کی حامل سورتوں کا مقام مکی سورتوں کے وسط میں ہے اور پھر ان سورتوں کے عین وسط میں سورۂ یٰسٓ کو رکھا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں قرآن کا بنیادی مضمون توحید ہے اور اس مضمون کی حامل سورتوں میں مقام کے اعتبار سے اس سورت کو گویا مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ’’قلب القرآن‘‘ ہونے کے حوالے سے سورۂ یٰسٓ کے بارے میں ایک خاص نکتہ یہ بھی ہے کہ مصحف کے اندر اس کا مقام انسانی جسم میں دل کے مقام سے مشابہ ہے‘ یعنی عین درمیان سے تھوڑا ہٹ کر ایک سمت میں۔

آیات ۱ تا ۱۲

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴﴾ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾

آیت ۱ ﴿یٰسٓ ①﴾ ’’یٰسٓ!‘‘

زیادہ تر مفسّرین کی رائے میں ’’یٰسٓ‘‘ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اسی طرح ’’طٰہٰ‘‘ کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ واللہ اعلم!

آیت ۲ ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝۲﴾ ’’قسم ہے قرآن حکیم کی!‘‘

عربی زبان میں ’’قسم‘‘ سے گواہی مراد لی جاتی ہے۔ چنانچہ اس آیت کا مفہوم یوں ہوگا کہ یہ حکمت بھرا قرآن گواہ ہے۔ اس قسم کا مقسم علیہ کیا ہے؟ یعنی یہ قسم کس چیز پر کھائی جا رہی ہے؟ اور یہ قرآن کس عظیم حقیقت پر گواہ ہے؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے:

آیت ۳ ﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳﴾ ’’کہ (اے محمد ﷺ!) یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں۔‘‘

گویا حضور ﷺ کی رسالت کا سب سے بڑا ’’مُصدِّق‘‘ (تصدیق کرنے والا) اور سب سے بڑا ثبوت قرآن حکیم ہے۔ اور قرآن حکیم ہی آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ بھی ہے۔ اس حوالے سے ایک اہم نکتہ یہ بھی نوٹ کر لیجیے کہ قرآن کی قسم اور بھی کئی سورتوں کے آغاز میں کھائی گئی ہے مگر وہاں قسم کے بعد مقسم علیہ کا ذکر نہیں ہے۔ مثلاً سورۂ صٓ کی پہلی آیت میں یوں فرمایا گیا: ﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝۱﴾ سورۃ الزخرف کے شروع میں یوں فرمایا گیا: ﴿حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲﴾ سورۂ ق کا آغاز یوں ہوتا ہے: ﴿قٓ ۣ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝۱﴾۔ اب چونکہ سورۂ یٰسٓ کی اِن آیات میں قرآن کی قسم کے مقسم علیہ کا ذکر بھی ہے اس لیے قرآن کی جن قسموں کا مقسم علیہ مذکور نہیں ان کا مقسم علیہ بھی وہی قرار پائے گا جس کا یہاں ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن کے ان تمام مقامات پر جہاں قرآن کی قسم تو کھائی گئی ہے لیکن قسم کے بعد مقسم علیہ کا ذکر نہیں ہے، وہاں ان تمام قسموں کے بعد اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کا جملہ بطور مقسم علیہ محذوف (understood) مانا جائے گا۔ اس اعتبار سے سورۂ یٰسٓ ایسی تمام سورتوں کے لیے ذروۂ سنام (climax) کا درجہ رکھتی ہے جن کے آغاز میں قرآن کی قسم کا ذکر ہے۔

آیت ۴ ﴿عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴﴾ ’’سیدھے راستے پر ہیں۔‘‘

آیت ۵ ﴿تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝۵﴾ ’’(اور اس قرآن کا) نازل کیا جانا ہے اُس ہستی کی جانب سے جو بہت زبردست، نہایت رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

آیت ۶ ﴿لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶﴾ ’’تاکہ آپؐ خبردار کر دیں اُس قوم کو جن کے آباء واَجداد کو خبردار نہیں کیا گیا، پس وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔‘‘

یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ السجدۃ کی آیت ۳ میں بھی آ چکا ہے۔ یعنی آپؐ سے پہلے

چونکہ اس قوم میں کوئی نبی یا رسول نہیں آیا، اس لیے نہ تو انہیں نبوت و رسالت کے بارے میں کچھ معلوم ہے اور نہ وہ کتاب و شریعت سے واقف ہیں۔

یہاں پر فَهُمْ غٰفِلُوْنَ کے الفاظ میں رعایت کا انداز بھی پایا جاتا ہے، یعنی چونکہ اس قوم میں اس سے پہلے نہ تو کوئی پیغمبر آیا ہے اور نہ ہی کوئی الہامی کتاب ان لوگوں تک پہنچی ہے اس لیے ان کا ’’غافل‘‘ ہونا بالکل قرین قیاس تھا۔ لیکن اب جبکہ ان میں پیغمبر بھی مبعوث ہو چکا ہے اور ایک حکمت بھری کتاب کی آیات بھی ان تک پہنچ چکی ہیں تو اس کے بعد ان کی گمراہی کا کوئی جواز نہیں۔ لیکن یہ لوگ ہیں کہ اب بھی گمراہی سے چمٹے ہوئے ہیں اور چونکہ انہوں نے ہمارے رسول ﷺ کی دعوت کو ٹھکرا دیا ہے اس لیے:

آیت ۷ ﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۷﴾ ’’ان کی اکثریت پر ہمارا قول (قانونِ عذاب) سچ ثابت ہو چکا ہے تو اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔‘‘

گویا حضور ﷺ کی دعوت کا مسلسل انکار کر کے یہ لوگ قانونِ الٰہی کی عذاب سے متعلق ’’شق‘‘ کی زد میں آ چکے ہیں۔

آیت ۸ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸﴾ ’’ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں اور وہ ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں، پس ان کے سر اونچے اٹھے رہ گئے ہیں۔‘‘

یعنی ان کی کیفیت اس شخص کی سی ہے جس کی گردن میں طوق پڑا ہو اور وہ طوق اس کی ٹھوڑی کے نیچے جا پھنسا ہو۔ ایسے شخص کے چہرے کا رخ مستقل طور پر اوپر کی طرف ہو جاتا ہے اور وہ اپنے سامنے کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ مطلب یہ کہ تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے یہ لوگ واضح حقائق کو بھی دیکھنے اور سمجھنے سے قاصر ہیں۔

آیت ۹ ﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝۹﴾ ’’اور ہم نے ایک دیوار کھڑی کر دی ہے ان کے آگے اور ایک ان کے پیچھے، اس طرح ہم نے انہیں ڈھانپ دیا ہے، پس اب وہ دیکھ نہیں سکتے۔‘‘

یہ مضمون آگے چل کر آیت ۴۵ میں پھر آئے گا — اللہ تعالیٰ کی معرفت اور حق کی پہچان کے لیے اگر انسان کو راہنمائی چاہیے تو اس مقصد کے لیے بے شمار آفاقی آیات (آلاء اللہ) ہر

وقت ہر جگہ اس کے سامنے ہیں۔ قرآن حکیم بار بار انسان کو ان آیات کے مشاہدے کی دعوت دیتا ہے۔ جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۶۴ میں بہت سی آفاقی نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہر انسان اپنی ذہنی سطح کے مطابق ان ''آیات'' کے مشاہدے سے ان کے خالق کو پہچان سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی آیات (ایام اللہ) سے بھی انسان کو راہنمائی مل سکتی ہے۔ یعنی اگر کوئی انسان چاہے تو اقوامِ سابقہ کے حالات سے بھی اسے سبق اور عبرت کا وافر سامان حاصل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ایسے بد بخت لوگ ہیں جو نہ تو التذکیر بآلاء اللہ سے استفادہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ التذکیر بایام اللہ سے کچھ سبق حاصل کرنے کے اہل ہیں۔ گویا یہ وہ لوگ ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے دیوار حائل ہو چکی ہے کہ وہ اللہ کی کسی بڑی سے بڑی نشانی کو بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اسی طرح ان کے پیچھے بھی دیوار کھڑی کر دی گئی ہے اور یوں وہ تاریخ اور اقوام ماضی کے حالات سے بھی کسی قسم کا سبق حاصل کرنے سے قاصر و معذور ہیں۔

آیت ۱۰ ﴿وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ان کے حق میں برابر ہے' خواہ آپ انہیں خبردار کریں یا نہ کریں' یہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

سورۃ البقرۃ کی آیت ۶ میں بھی ہو بہو یہی الفاظ آئے ہیں۔

آیت ۱۱ ﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ﴾ ''آپؐ تو بس اُسی شخص کو خبردار کر سکتے ہیں جو الذکر (قرآن) کی پیروی کرے اور غیب میں ہوتے ہوئے رحمٰن سے ڈرے۔''

آپؐ کے انذار سے تو صرف وہی لوگ متاثر ہو سکتے ہیں جو اس قرآن کے پیغام کو سمجھیں' اس کی پیروی کریں اور غیب میں ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت اپنے دلوں میں رکھیں۔

﴿فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝۱۱﴾ ''تو ایسے لوگوں کو آپؐ خوشخبری دے دیجیے مغفرت اور باعزت اجر کی۔''

آیت ۱۲ ﴿اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ﴾ ''یقیناً ہم ہی زندہ کریں گے مُردوں کو' اور ہم لکھ رہے ہیں جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا اور جو اثرات وہ

اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔''

انسان مرنے سے پہلے اپنی زندگی میں جو اچھے بُرے اعمال آگے بھیجتا ہے وہ ساتھ ہی ساتھ اس کے اعمال نامے میں درج ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن انسان کے کچھ اعمال و افعال ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے اثرات اس کی موت کے بعد بھی اس دنیا میں رہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں پر ''آثار'' سے مراد انسان کے ایسے ہی کام ہیں۔ بہر حال انسان کو آخرت میں ان ''آثار'' کا بدلہ بھی دیا جائے گا۔ مثلاً اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں کسی ایسے نیک عمل کی بنیاد ڈالی جس کے اثرات دیرپا ہوں تو جب تک اس نیک کام کا تسلسل اس دنیا میں رہے گا' اس کا اجر و ثواب اس شخص کے حساب میں لکھا جاتا رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے گناہ اور بے حیائی کے کسی کام کی بنیاد رکھی تو جب تک اس کام یا منصوبے کے منفی اثرات اس دنیا میں رہیں گے' اس میں سے متعلقہ شخص کے حصے کے گناہوں کا اندراج اس کے اعمال نامے میں مسلسل ہوتا رہے گا۔

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۲﴾ ''اور ہر چیز کا احاطہ ہم نے ایک واضح کتاب میں کر رکھا ہے۔''

''اِمَامٍ مُّبِيْنٍ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے جسے سورۃ الرعد کی آیت ۳۹ اور سورۃ الزخرف کی آیت ۴ میں ''اُمّ الْکِتٰب'' کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔

آیات ۱۳ تا ۳۲

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۳ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝۱۴ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝۱۵ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝۱۶ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۷ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۸ قَالُوْا طَاۗىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝۱۹ وَجَاۗءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۰ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔـلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۲۱ وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ

الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ
بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ
مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ
قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا
عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ
اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ
رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ
اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۲﴾

آیت ۱۳ ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾﴾ ''ان کے لیے آپؐ اُس بستی والوں کی مثال بیان کیجیے' جب کہ ان کے پاس رسول آئے۔''

آیت ۱۴ ﴿اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ﴾ ''جب ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول''

اس بارے میں مفسّرین کی عام رائے یہ ہے کہ وہ دو حضرات ''رسول من جانب اللہ'' نہیں تھے بلکہ کسی ''رسول کے رسول'' تھے۔ یعنی ممکن ہے کہ اللہ کی طرف سے وقت کے رسول کسی دوسرے مقام پر موجود ہوں اور انہوں نے اپنے دو شاگردوں کو کسی خاص بستی کی طرف دعوت کے لیے بھیجا ہو۔ اس بارے میں غالب رائے یہ ہے کہ وہ حضرات حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری تھے جو آپؑ کے حکم سے ترکی اور شام کی سرحد پر واقع شہر انطاکیہ میں تبلیغ کے لیے آئے تھے۔

''رسول کے رسول'' کی اصطلاح ہمیں احادیث میں بھی ملتی ہے۔ مثلاً حضور اکرم ﷺ نے حُدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیعت لی تو مدینہ واپسی پر آپؐ نے خواتین سے بھی بیعت لینے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور اس کے لیے آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خواتین کے پاس بھیجا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواتین کے مجمع میں آکر فرمایا: اَنَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ (میں اللہ کے رسول ﷺ کا رسول ہوں)۔ اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کے سامنے اپنا تعارف ان الفاظ میں کروایا تھا ''اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا..... ''یعنی ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا نمائندہ بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔

بہر حال یہاں یہ دونوں امکان موجود ہیں۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ کسی بستی میں اللہ نے ایک ساتھ دو رسول مبعوث فرمائے ہوں۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اکٹھے مبعوث

فرمایا گیا تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دو اصحاب کسی رسول کے نمائندے بن کر متعلقہ بستی میں گئے ہوں۔

﴿فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ﴾ ''پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا' تو ہم نے (ان کو) تقویت دی ایک تیسرے کے ساتھ''

اُس قوم کی طرف سے ان دونوں رسولوں کی تکذیب کے بعد ہم نے ان کی مدد کے لیے ایک تیسرا رسول بھی بھیجا۔

﴿فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔''

آیت ۱۵ ﴿قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ﴾ ''انہوں نے کہا کہ تم نہیں ہو مگر ہم جیسے انسان!''

﴿وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾﴾ ''اور رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی' تم محض جھوٹ بول رہے ہو۔''

آیت ۱۶ ﴿قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔''

انہوں نے بستی والوں کی ہٹ دھرمی کے جواب میں کوئی اور دلیل تو نہیں دی۔ البتہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر ان کے سامنے اپنے اس یقین اور اِذعان کا اظہار کیا کہ ہم اُسی کی طرف سے بھیجے گئے رسول ہیں۔

آیت ۱۷ ﴿وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور نہیں ہے ہم پر کوئی اور ذمہ داری سوائے (اللہ کا پیغام) صاف صاف پہنچا دینے کے۔''

آیت ۱۸ ﴿قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ﴾ ''انہوں نے کہا کہ ہمیں تم سے نحوست کا اندیشہ ہے۔''

یعنی ہم تمہیں اپنے لیے فالِ بد سمجھتے ہیں۔ تم نے آکر ہمارے معبودوں کے خلاف جو باتیں کرنی شروع کر دی ہیں ان کی وجہ سے ہمیں اندیشہ ہے کہ اس کی نحوست کہیں ہم پر نہ پڑ جائے اور اس کی پاداش میں کہیں ہم خدا کی گرفت میں نہ آ جائیں۔

﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ﴾ ''اگر تم باز نہ آئے تو ہم ضرور تمہیں سنگسار کر دیں گے''

﴿وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾﴾ ''اور تمہیں ضرور پہنچے گی ہماری طرف سے دردناک سزا۔''

آیت ۱۹ ﴿قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے اپنے ساتھ ہے۔''

﴿اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ﴾ ''کیا اس لیے کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟''

کیا تم یہ باتیں اس لیے بنا رہے ہو کہ تمہیں نصیحت اور یاد دہانی کرائی گئی ہے؟ جبکہ یہ نصیحت بھی کوئی نئی اور انوکھی بات سے متعلق نہیں ہے۔ اللہ کی معرفت تو پہلے سے تمہارے دلوں کے اندر موجود ہے۔ ہم تو تم لوگوں کو صرف اس کی یاد دہانی کرانے کے لیے آئے ہیں۔ اسی حقیقت کو سورۃ الذاریات میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''اور تمہارے اپنے اندر بھی (اللہ کی نشانیاں) ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟''

﴿بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''بلکہ تم حد سے بڑھ جانے والے لوگ ہو۔''

آیت ۲۰ ﴿وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى﴾ ''اور شہر کے پرلے سرے سے آیا ایک شخص بھاگتا ہوا''

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ''اُس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! تم ان رسولوںؑ کی پیروی کرو!''

تم لوگ ان پر ایمان لاؤ، ان کی تصدیق کرو اور ان کی اطاعت کرو۔

آیت ۲۱ ﴿اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''پیروی کرو ان کی جو تم سے کسی اُجرت کے طالب نہیں ہیں اور جو ہدایت یافتہ ہیں۔''

دیکھو! یہ لوگ تمہیں نصیحت کرنے اور تمہیں راہِ راست کی طرف بلانے کے لیے دن رات مشقت کر رہے ہیں، لیکن اس سب کچھ کے عوض وہ تم سے کسی صلے یا اجرت کا مطالبہ نہیں کرتے۔ جبکہ ان کی سیرتیں خود اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ یہ لوگ واقعی ہدایت یافتہ ہیں۔

آیت ۲۲ ﴿وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور مجھے کیا ہے کہ

میں عبادت نہ کروں اُس ہستی کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹا دیے جاؤ گے۔''

دیکھو! یہ لوگ جو دعوت دے رہے ہیں وہ یہی تو ہے کہ تم اُس اکیلے معبود کی پرستش کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم سب لوگوں نے پلٹ کر بھی جانا ہے۔ چنانچہ مجھے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ میں اُس اللہ کی عبادت نہ کروں جو میرا خالق ہے۔

آیت ۲۳ ﴿ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً﴾ ''کیا میں اُس کے سوا دوسروں کو معبود بنالوں؟''

کیا میں اس معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر جھوٹے خداؤں اور دیوی دیوتاؤں کی پوجا شروع کر دوں؟

﴿اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾﴾ ''اگر رحمٰن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان (جھوٹے معبودوں) کی سفارش میرے کسی کام نہیں آئے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے۔''

آیت ۲۴ ﴿اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾﴾ ''تب تو میں یقیناً بہت کھلی گمراہی میں پڑ جاؤں گا۔''

اگر میں معبودِ حقیقی کے ساتھ جھوٹے خداؤں کو شریک کرنے کی حماقت کر لوں جنہیں کسی چیز کا بھی اختیار نہیں تو ایسی صورت میں تو میں سیدھے راستے سے بالکل ہی بھٹک جاؤں گا۔

آیت ۲۵ ﴿اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾﴾ ''میں تو تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں، سو میری بات سنو!''

یعنی اللہ کے یہ تینوں رسولؑ تمہیں توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور تمہیں تمہارے رب کی طرف بلا رہے ہیں۔ ان کی یہ باتیں تمہاری سمجھ میں آئیں نہ آئیں میں ان کی حقیقت تک پہنچ چکا ہوں۔ اور تم ان کی تصدیق کرو نہ کرو میں تو ان پر ایمان لا چکا ہوں۔ یوں اللہ کے اس بندے نے ڈنکے کی چوٹ اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ یہ سنتے ہی اس کی قوم کے لوگ غصے سے پاگل ہو گئے۔ انہیں ان رسولوں پر تو زیادہ غصہ نہ آیا، کیونکہ وہ باہر سے آئے ہوئے افراد تھے، لیکن اپنی قوم کے ایک فرد کی طرف سے اس ''اعلانِ بغاوت'' کو وہ برداشت نہ کر سکے، چنانچہ

اللہ کے اس بندے کو اسی لمحے شہید کر دیا گیا۔

آیت ۲۶ ﴿قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ﴾ ''کہہ دیا گیا کہ تم داخل ہو جاؤ جنت میں!''

وہ شخص چونکہ اللہ کی راہ کا مقتول تھا' اس لیے جنت تو گویا اس کے انتظار میں تھی۔ شہادت کے رتبے پر فائز ہو جانے والے خوش قسمت لوگوں کو جنت میں داخلے کے لیے روزِ حشر کا انتظار نہیں کرنا پڑتا' بلکہ جس لمحے ایسے کسی مؤمن کی شہادت ہوتی ہے اسی لمحے اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

﴿قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝۲۶﴾ ''اس نے کہا: کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا۔''

آیت ۲۷ ﴿بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝۲۷﴾ ''وہ جو میرے رب نے میری مغفرت فرمائی ہے اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل کر لیا ہے۔''

ذرا تصور کیجیے! ادھر جنت کا تو یہ منظر ہے' مگر دوسری طرف دنیا میں اس کے گھر میں صف ماتم بچھی ہوگی۔ بیوی بچے ہوں گے تو وہ رو رو کر بے حال ہو رہے ہوں گے' والدین ہوں گے تو ان پر غشی کے دورے پڑ رہے ہوں گے۔ غرض بہن بھائی' عزیز و اقارب سب نوحہ کناں ہوں گے کہ اسے اس طرح ناحق قتل کر دیا گیا۔ بہرحال ان دونوں جہانوں کے معاملات علیحدہ علیحدہ ہیں' درمیان میں غیب کا پردہ حائل ہے۔ دنیا والوں کو پردۂ غیب کی دوسری طرف اُس جہان کی کیفیات کا کچھ علم نہیں' جہاں اللہ کا ایک بندہ جنت کے تخت پر بیٹھا کہہ رہا ہے کہ اگر میری قوم کے لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے ہاں میری کیسی قدر و منزلت ہوئی ہے اور مجھے کیسے کیسے اعزاز و اکرام سے نوازا گیا ہے تو وہ میری شہادت پر رنجیدہ و غمگین نہ ہوتے۔

آیت ۲۸ ﴿وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝۲۸﴾ ''اور اس کے بعد ہم نے اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نازل نہیں کیا تھا اور نہ ہی ہم (لشکر) نازل کرنے والے تھے۔''

اپنے منکروں اور نافرمانوں کو سزا دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کو آسمانوں سے کوئی فوج اتارنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

آیت ۲۹ ﴿اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝۲۹﴾ ''وہ تو بس ایک

زوردار چنگھاڑ تھی' جبھی وہ سب بجھ کر رہ گئے۔''

اس یکبارگی خوفناک چنگھاڑ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پوری آبادی چشمِ زدن میں گویا راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئی۔

آیت ۳۰ ﴿يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۰﴾ ''افسوس ہے بندوں کے حال پر! نہیں آتا ان کے پاس کوئی پیغمبر مگر وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے ہیں۔''

آیت ۳۱ ﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۳۱﴾ ''کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی نسلوں کو ہلاک کر دیا کہ وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آتے!''

ایک دفعہ دنیا سے چلے جانے کے بعد کسی کو بھی دوبارہ یہاں آنے کا موقع نہیں ملتا۔ چنانچہ ان اقوام کے لوگ نیست و نابود ہو کر ماضی کا حصہ بن چکے ہیں۔

آیت ۳۲ ﴿وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۳۲﴾ ''اور وہ سب کے سب ہمارے ہی سامنے حاضر کیے جائیں گے۔''

اگرچہ دنیا میں واپس آنے کی تو انہیں اجازت نہیں مگر وہ معدوم نہیں ہوئے۔ عالَمِ برزخ میں وہ سب کے سب اب بھی موجود ہیں اور وقت آنے پر ان میں سے ایک ایک کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر کر دیا جائے گا۔

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
''بیان القرآن'' کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں'
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔ (ان شاء اللہ!)

سلسلہ وار دروسِ قرآن (۸)

حقیقتِ ایمان

شجاع الدین شیخ ☆

آج ہم ''حقیقتِ ایمان'' کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ ''ایمان'' کے لغوی معنی امن دینا ہے اور اسی سے لفظ ''مؤمن'' بنتا ہے جس کے معنی امن دینے والے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بھی ایک صفت ''المؤمن'' ہے۔ ایمان کا اصطلاحی مفہوم نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی ہر بات کی تصدیق کرنا ہے۔

اس ضمن میں یاد رکھیں کہ بنیادی ایمان' ایمان باللہ ہی ہے اور باقی ایمانیات اس کی شاخیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''ایمانِ مجمل'' میں صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان کا ذکر آیا ہے:

آمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ، اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ

''میں ایمان لایا اللہ پر اُس کے تمام اَسماء وصفات کے ساتھ اور میں نے اللہ کے تمام احکام کو قبول کیا' زبان سے اقرار کیا اور دل سے تصدیق کی۔''

جبکہ ''ایمان مفصّل'' میں سات چیزوں پر ایمان لانے کا بیان ہے:

آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

''میں ایمان لایا اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور تقدیر پر خواہ اچھی ہو یا بُری کہ اللہ کی طرف سے ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے پر۔''

اللہ ربّ العزت پر ایمان یعنی توحید کا ذکر ''ایمانِ مجمل'' میں ہے' جبکہ یہاں ایمان کے مختلف

☆ معاون برائے مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت' تنظیم اسلامی

گوشوں کو کھول دیا گیا' اسی لیے اسے ''ایمانِ مفصل'' کہتے ہیں۔

ایمانیاتِ ثلاثہ کی اہمیت

اب ہم تین بنیادی ایمانیات پر گفتگو کریں گے۔ ویسے تو ''ایمانِ مفصل'' میں سات ایمانیات کا ذکر ہے' لہٰذا سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہم صرف ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی ایمان باللہ' ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت کا ذکر کیوں کر رہے ہیں۔ اس بارے میں نوٹ کر لیجیے کہ یہی تین بنیادی ایمانیات ہیں اور قرآن حکیم میں بھی بار بار ان ہی کا ذکر آیا ہے۔ اگر ہم قرآن کریم کے موضوعات کا تجزیہ کریں تو یہی تین ایمانیات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ چنانچہ ایمانیاتِ ثلاثہ کے حوالے سے کچھ بنیادی نکات کو سمجھتے ہیں۔

ایمان باللہ: اللہ پر ایمان اس حوالے سے کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ واحد ہستی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اللہ ربّ العزت ہی اس وسیع وعریض کائنات کا خالق و مالک ہے اور اس کے ہر نظام کو چلانے والا ہے اور اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ ہر خوبی درجہ کمال کے ساتھ اسی کی ذات میں موجود ہے۔

ایمان بالآخرت: آخرت پر ایمان اس حوالے سے کہ عالَمِ دنیا ایک طے شدہ مدت تک ہے' جبکہ عالَمِ آخرت کی مدت لامحدود ہے۔ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل ہے اور اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ موت وحیات کو امتحان کے لیے تخلیق کیا گیا ہے اور امتحان کا نتیجہ آخرت میں کامیابی یا ناکامی کی شکل میں نکلے گا۔

ایمان بالرسالت: رسولوں پر ایمان اس حوالے سے کہ امتحان میں کامیابی کے لیے نیکی اور بدی کا شعور انسانی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور اسی کی بنیاد پر حساب بھی لیا جا سکتا ہے' لیکن یہ رحمتِ خداوندی ہے کہ اس نے کچھ برگزیدہ ہستیوں کو نبوت ورسالت کے منصب پر فائز کیا' ان کے ذریعے ہدایت بھیجی اور انہیں متوازن عملی نمونہ بنایا تاکہ انسان کے پاس بے عملی کا جواز نہ رہے۔

ایمان بالرسالت کے حوالے سے ایک بات یہ نوٹ کر لیں کہ ایمان بالرسالت قانونی اعتبار سے اہم تر ہے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھنے والا ہی مسلمان ہوگا۔ یہودی اللہ پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اگر وہ رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۝۸﴾ ''اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے' لیکن وہ مؤمن نہیں ہیں''۔ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی بھی ہے: ''بالفرض اگر آج موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوں تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔''

ایمانیات کا باہمی تعلق

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت العَادِل اور العَدل ہے جس کا کامل اظہار آخرت میں ہوگا۔ لہٰذا آخرت پر ایمان توحید ہی کو ماننے کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ایک صفت الھَادِی یعنی ہدایت عطا فرمانے والا ہے' جس کے نتیجے میں انبیاء و رسل علیہم السلام کے ذریعے انسانوں کی ہدایت کا سامان کیا گیا۔ لہٰذا رسالت پر ایمان اللہ تعالیٰ پر ایمان کا نتیجہ ہے۔ آسمانی کتابوں اور فرشتوں پر ایمان' ایمان بالرسالت کا حصہ ہے' کیونکہ فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام رسولوں پر نازل فرمایا ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا یعنی بعث بعد الموت' ایمان بالآخرت کا نتیجہ ہے' جبکہ تقدیر کا فیصلہ تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اچھا اور برا جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور اس تقدیر پر ایمان لانا بھی توحید پر ایمان کا نتیجہ ہے۔

''ایمانِ مفصل'' میں بیان ہونے والے ایمانیات کے باہمی تعلق کے تذکرہ کے بعد اب ذیل میں ایمانیاتِ ثلاثہ کے درمیان ربط و اہمیت پر غور کرتے ہیں۔ ایمان باللہ ہی اصل اور بنیادی ایمان ہے اور باقی ایمانیات اس کی شاخیں ہیں۔ آخرت کا تعلق اللہ کی صفت عدل اور رسالت کا تعلق اللہ کی صفت ہدایت سے ہے۔ ایمان بالآخرت انسان کے اخلاق و عمل پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے' بایں طور کہ اگر آخرت سامنے نہ ہو تو اللہ عزوجل اور نبی اکرم ﷺ سے محبت کے دعوے بھی ہوں گے' لیکن اس کے ساتھ گناہ بھی ہو رہے ہوں گے' اللہ کی نافرمانی بھی ہو رہی ہوگی۔ چنانچہ آخرت کا عقیدہ جتنا پختہ ہوگا ہمارا عمل اتنا ہی درست ہوتا چلا جائے گا۔

ایمان کے درجات

اب ہم ایمان کے درجات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہلا درجہ ''زبانی ایمان'' یا ''قانونی ایمان'' اور دوسرا درجہ ''حقیقی ایمان'' ہے۔ ایک تقسیم یہ ہے کہ زبان سے اقرار کو ''اسلام'' اور دل سے تصدیق کو ''ایمان'' کہا جاتا ہے۔ دنیا میں تمام فیصلے قانونی ایمان کی بنیاد

پر ہوں گے۔ دنیا میں کوئی شخص کلمہ پڑھ لے تو ہم اس کے ایمان کو اس کے ظاہری اقرار کی بنیاد پر تسلیم کر لیں گے۔ سورۃ النساء میں یہ بات بایں طور بیان ہوئی ہے: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ (آیت ۹۴) ''اور جو شخص بھی تمہارے سامنے سلام پیش کرے (یا اسلام پیش کرے) تو اس کو یہ مت کہو کہ تم مؤمن نہیں ہو''۔ اس آیت کے پس منظر کے طور پر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک واقعہ معروف ہے۔ جب وہ ایک علاقے میں اقدام کرنے گئے تو ایک شخص نے انہیں دیکھ کر کلمہ پڑھ لیا۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے تو انہوں نے اُسے قتل کر دیا۔ مقدمہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ((اَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَقَتَلْتَهٗ؟)) ''اُس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا اور تم نے پھر بھی اُسے قتل کر دیا؟'' حضرت مقداد نے جواب میں کہا کہ اُس نے اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰى تَعْلَمَ اَقَالَهَا اَمْ لَا؟)) (۱) ''تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ جان لیا کہ اُس نے کلمہ دل سے پڑھا تھا یا نہیں؟''

چنانچہ معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست میں شہریت اور تمام حقوق کے حصول کی بنیاد ظاہری اور قانونی ایمان پر ہوگی۔ مثلاً ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس کے دو یا تین بیٹے ہوں' ان میں سے ایک بیٹا نیک ہو اور باقی نسبتاً کم نیک یا گنہگار ہوں تو ایسا نہیں ہوگا کہ اس شخص کی وراثت میں سے نیک بیٹے کو زیادہ حصہ ملے۔ یہاں سب کے حقوق وراثت میں برابر ہوں گے' اس لیے کہ دنیا میں حقوق کا تعین اسلام کے زبانی اقرار کی بنیاد پر ہوگا۔ البتہ صرف زبانی اقرار ہو لیکن دل سے اس پر یقین نہ ہو تو یہ نفاق ہوگا۔ سورۃ المائدۃ میں ایسے ہی منافقین کا تذکرہ کیا گیا ہے: ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (آیت ۴۱) ''وہ اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں' مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے ہیں''۔ اگرچہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے' لیکن قانونی طور پر انہیں مسلمان ہی مانا جائے گا اور مسلمانوں والے تمام حقوق ان کو حاصل ہوں گے۔

اب حقیقی ایمان کی طرف آیئے۔ آخرت میں کسی کے مسلمان ہونے کا فیصلہ ''حقیقی

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب تحریم قتل الکافر بعد ان قال لا اِلٰہ الا اللّٰہ۔

ایمان'' کی بنیاد پر ہوگا۔سورۃ الحجرات میں ان لوگوں کے بارے میں جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے' فرمایا گیا: ﴿قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ فرما دیں کہ تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ تم کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا''۔صرف دل میں یقین ہو مگر زبان سے اس کا اقرار نہ ہو تو یہ کفر ہے۔یہ بات عجیب لگتی ہے لیکن سورۃ النمل کی آیت ۱۴ میں اس کا ذکر آیا کہ جب فرعون اور اس کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ لیے تو ان کے دل نے تو مان لیا لیکن زبان سے اس کا اقرار نہیں کیا تو انہیں کافر قرار دیا گیا۔چنانچہ آخرت میں حقیقی مؤمن قرار پانے کے لیے زبانی اقرار اور دل سے تصدیق دونوں ضروری ہیں۔

ایمان اور عمل کا باہمی تعلق

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مطابق قانونی ایمان کا عمل سے کوئی تعلق نہیں۔مثلاً بہت سارے کلمہ پڑھنے والے مسلمان بے نمازی بھی ہیں' سودی لین دین میں بھی ملوث ہیں اور اس طرح کے دوسرے غیر شرعی کاموں سے بھی باز نہیں آتے۔چنانچہ قانونی سطح پر ضروری نہیں کہ عمل بھی درست ہو۔اس ضمن میں امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ ''ایمان قول ہے' جو نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے!'' اس حوالے سے جو قانونی مسائل اور پیچیدگیاں ہوا کرتی ہیں ان کے تعلق سے یہ جملہ صد فیصد درست ہے۔یہی وجہ ہے کہ فاسق و فاجر شخص بھی مسلمان ہے جب تک کسی بنیادی عقیدے کا منکر نہ ہو۔اسی طرح بے عمل مسلمان کو بھی متقی مسلمان کے برابر حقوق ملیں گے اور دونوں کی قانونی حیثیت یکساں ہے۔

ایک دوسرا رخ اس کا یہ ہے کہ حقیقی ایمان اور عمل لازم و ملزوم ہیں۔یہ امام بخاریؒ کا قول ہے جو محدثین کے امام ہیں۔وہ محدثانہ طرزِ عمل پر گفتگو کر رہے ہیں۔ہم احادیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ حقیقی ایمان کا نتیجہ لازماً عمل میں ظاہر ہوتا ہے۔لہٰذا امام بخاریؒ کا یہ قول بھی صد فی صد درست ہے کہ ''ایمان قول اور عمل کا مجموعہ ہے اور یہ گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے!'' اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ((لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ)) (۱) ''اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس میں امانت داری کا وصف نہیں' اور اس

(۱) رواہ البیہقی : عن انس رضی اللہ عنہ

کا کوئی دین نہیں جس میں عہد کی پاسداری نہ ہو۔''

امام بخاری کے قول ''حقیقی ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے'' کے بارے میں چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں' کیونکہ اس کا تعلق ہمارے روزمرہ کے معاملات سے ہے۔انگریزی کا ایک محاورہ ہے: A man is known by the company he keeps کہ انسان اپنے حلقہ احباب کی وجہ سے ہی پہچانا جاتا ہے۔چنانچہ اچھی محفل میں بیٹھنے والوں کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے' جبکہ برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے والوں کے ایمان میں کمی ہوتی رہتی ہے۔نیک عمل نور ہے جس کا اثر باطن پر پڑتا ہے اور اس سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔بدی ایک نحوست ہے جس کا اثر باطن پر جاتا ہے تو ایمان گھٹ جاتا ہے۔اچھے یا برے مطالعے' مشاہدے یا سماعت کے بھی اثرات ہوتے ہیں۔جب انسان اچھی کتابیں پڑھتا ہے' خیر کی بات دیکھتا ہے' نیک اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے' اچھے مقامات پر جاتا ہے' تو اچھے جذبات بڑھتے ہیں۔اس کے برعکس ہوگا تو جذبات گھٹتے ہیں اور ایمان کمزور پڑ جاتا ہے۔تلاوتِ قرآن کا اثر بھی ہے۔سورۃ التوبہ کی آیت ۱۲۴ کے مطابق ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت ہوتی ہے تو ان کا ایمان بڑھتا ہے: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ ''تو جو لوگ واقعی ایمان والے ہیں وہ ان کے ایمان میں تو یقیناً اضافہ کرتی ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں''۔سورۃ الانفال کے آغاز میں بھی یہ بات بایں طور بیان کی گئی:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾﴾

''حقیقی مؤمن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب انہیں اُس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے' اور وہ اپنے رب ہی پر توکّل کرتے ہیں۔''

ایمان ہی عمل کی روح ہے اور عمل کا مقصد صرف اللہ کی رضا کا حصول ہونا چاہیے۔اس لیے کہ دکھاوا شرک ہے۔ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ صَلّٰى يُرَاءِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ.....)) (۱) ''جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اُس نے شرک کیا.....'' عمل کا اجر صرف

(۱) مسند احمد' عن شداد بن اوس رضی اللہ عنہ

آخرت میں مطلوب ہونا چاہیے اور عمل وہی صالح ہے جو سنت کے خلاف نہ ہو۔ ایمان عمل کے لیے جذبۂ محرکہ ہے اور ایمان ہی انسان کو گناہوں سے پرہیز اور نیکی کو اختیار کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

ایمان کا حاصل

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان کا حاصل کیا ہے؟ ایمان کے حصول سے انسان کو امن میسّر آتا ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۸۱ میں پوچھا گیا کہ ایک شخص موحّد ہے اور ایک مشرک تو دونوں میں سے امن، چین، روحانی اطمینان اور حقیقی سکونِ قلب کا زیادہ حق دار کون ہوگا؟ اگلی آیت میں اس کا جواب دے دیا گیا: ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ آلودہ نہیں کیا، ان ہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

کائنات اور اپنی ذات کے بارے میں انسان شدید ذہنی کوفت اور اعصابی دباؤ میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ مجبور ہے کہ محض اپنے حواس کے ذریعے مندرجہ بالا سوالات کا اطمینان بخش جواب یعنی علم حقیقی نہیں پا سکتا۔ کائنات کے بارے میں محض انسانی عقل اور حواس اطمینان بخش جواب نہیں دے سکتے۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام تھے جو ایک خاص ذریعۂ علم یعنی وحی کی بنیاد پر مندرجہ بالا سوالات کا جواب دیتے تھے۔ جب انسان کو ان سوالات کا جواب مل جاتا ہے تو وہ امن پاتا ہے۔ اسی طرح جو کسی نبی کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کرتا ہے، اس کی بے چینی ختم ہو جاتی ہے اور اسے امن و سکون کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ ایمان اور امن آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ اس داخلی امن کا نام ہی ایمان ہے۔ جس کو ایمان مل گیا وہ بندہ مؤمن ہو گیا، اب وہ دوسروں کے لیے امن کا باعث بنے گا۔ ایمان کے نتیجے میں حاصل ہونے والے امن کے یہ نتائج نکلتے ہیں کہ بندے کو یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ ہمارے نفع و نقصان کا کل اختیار اللہ کے پاس ہے۔ ہمیں نہ تو مخلوقات میں سے کسی کی خوشامد کرنے کی حاجت ہے اور نہ کسی سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ کشمکش حیات میں ہر آن محسوس ہوتا ہے کہ میں اکیلا نہیں، میرا ایک زبردست مددگار ہے۔ حادثات پر بندے کو صبر و سکون میسر آتا ہے کہ اسی میں خیر ہے۔ بندہ بدلتے ہوئے حالات میں ٹینشن کا شکار نہیں ہوتا، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ جو ہوا اللہ کے حکم سے ہوا۔ خدشات اور

اوہام سے اسے نجات مل جاتی ہے، اس لیے کہ اسے پتا ہوتا ہے کہ سارا اختیار اللہ کے پاس ہے، لہٰذا جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا اور جو نہیں ہونا، وہ نہیں ہوگا۔ اللہ ہمیں ایسا امن عطا فرمائے!

ایمان کے تقاضے

ایمان کا تقاضا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ سورۃ الحجرات میں فرمایا گیا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾

''بیشک مؤمن تو بس وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور پھر کسی شک میں نہ پڑے اور انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہی لوگ سچے ہیں۔''

ایمان کا اظہار جب عمل میں ہوگا تو وہ جہاد ہوگا۔ اللہ کے پیغام کو پھیلانے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے مسلسل جدوجہد جہاد کے مختلف مراحل ہیں۔ اللہ پر ایمان اور اس سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی ذات اور خارج میں ہر اُس شے کو فروغ دیا جائے جو اسے پسند ہے اور ہر اُس چیز کے خلاف جدوجہد کی جائے جو اسے ناپسند ہے۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ کا ایک وسیع تصور ہے۔

حقیقی مؤمن کون؟

ایک بہت اہم سوال یہ ہے کہ حقیقی مؤمن کون ہوتا ہے؟ حقیقی مؤمن کی کیفیات قرآن حکیم میں جا بجا بیان فرمائی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر ماقبل بیان کردہ سورۃ الانفال کی آیت ۲ میں فرمایا گیا: ''مؤمن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں''۔ یہ مؤمن کی باطنی کیفیات کا بیان ہے۔ حقیقی مؤمن کی خارجی سرگرمیوں کے بارے میں اسی سورہ کے آخر میں فرمایا گیا:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد پہنچائی، یہی لوگ سچے مؤمن ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔''

اگلا سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں حقیقی ایمان حاصل ہے؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ ہماری اکثریت ایمانِ حقیقی سے محروم ہے۔ اگر ہم مؤمن ہوتے تو آج دنیا میں غالب ہوتے‘ جیسا کہ فرمایا گیا سورۂ آل عمران میں: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳۹﴾ ’’اور نہ ہمت ہارو اور نہ غمگین ہو‘ تم ہی غالب ہو گے اگر تم مؤمن ہو‘‘۔ آج دنیا میں ہماری ذلت و رسوائی بتا رہی ہے کہ ہمارے دلوں میں حقیقی ایمان نہیں۔ آج مسلمان معاشروں میں بے عملی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان عطا فرمائے!

ایمانِ حقیقی کے ذرائع

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایمانِ حقیقی کے حصول کے ذرائع کون کون سے ہیں۔ سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹﴾ ’’اے ایمان والو! اللہ کی نافرمانی سے بچو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ‘‘۔ نیک لوگوں کے ساتھ رہنے کی وضاحت ماقبل بیان کردہ سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں یوں بیان فرمائی گئی ہے کہ ’’مؤمن تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ‘ یہی لوگ سچے ہیں۔‘‘

دوسرا ذریعہ سلف صالحین کی سیرت کا مطالعہ ہے۔ سب سے بڑھ کر سیرتِ رسول ﷺ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دیگر نیک لوگوں کی سیرت کے مطالعے سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد آیاتِ آفاقی پر غور بھی ایمانِ حقیقی کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ قرآن حکیم ہمیں بار بار کائنات پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۱۹۰﴾ ’’بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں یقیناً عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں‘‘۔ جتنا ہم اس کائنات پر غور و فکر کریں گے‘ ہمارے دلوں میں اللہ کی عظمت بڑھے گی اور ایمان میں اضافہ ہوگا۔ ان شاء اللہ!

قرآن آیاتِ اَنفسی پر بھی غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار ہے اور انسان کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔ سورۃ الذّاریات میں فرمایا گیا: ﴿وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝۲۰ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝۲۱﴾ ’’اور ایمان

لانے والوں کے لیے زمین میں نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہاری اپنی ذات میں بھی‘ تو کیا تم نہیں دیکھتے؟‘‘ اللہ تعالیٰ ہمیں غور و فکر کی توفیق عطا فرمائے۔ انسانی جسم کا ہر عضو اللہ کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ حصولِ ایمان کا اہم ترین ذریعہ قرآن حکیم کی آیات پر غور و فکر ہے۔ سورۃ الانفال کی آیت ۲ میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ایمان والوں کے سامنے جب قرآنی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو بھی ایمان کی حرارت عطا فرمائے اور قرآن حکیم کے ذریعے ہمارے دلوں کو منور فرمائے۔

سب سے خوبصورت ایمان

آخر میں تحفتاً ایک بڑی پیاری حدیث مبارکہ پیش خدمت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ’’تم جانتے ہو کہ سب سے خوبصورت ایمان کس کا ہے؟‘‘ صحابہ کرامؓ نے کہا: فرشتوں کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ ایمان کیوں نہ لائیں جبکہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں‘‘۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: پھر انبیاء کرامؑ کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ ایمان کیوں نہ لائیں جبکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے‘‘۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: پھر ہمارا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تم کیوں نہ ایمان لاؤ جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں‘‘۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جان لو سب سے خوبصورت ایمان ان لوگوں کا ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے‘ وہ قرآن کو صفحات میں لکھا ہوا پائیں گے اور اس کی تعلیمات پر ایمان لائیں گے۔‘‘ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ہم لوگ کبھی کبھی اپنے آپ کو degrade بھی کرتے ہیں اور حقیر بھی سمجھتے ہیں‘ مگر ہم یہ نہیں سوچتے کہ بعد میں آنے والوں میں ہم سب شامل ہیں اور ہم مانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے‘ حالانکہ ہم نے نہ اس کے نزول کو دیکھا اور نہ نبی اکرم ﷺ کو دیکھا۔ ایسے لوگوں کے ایمان کو رسول اکرم ﷺ نے خوبصورت ایمان قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث کا صحیح معنوں میں مصداق بنائے۔ آمین یاربّ العالمین! ❁❁❁

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مندرجہ بالا عنوان سورۃ الشّمس کی آیت ۸ ہے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اچھائی اور برائی کے کاموں کی سمجھ انسان کی سرشت میں رکھ دی ہے۔ گویا وہ ازخود جانتا ہے کہ کون سا کام برا اور کون سا اچھا ہے۔ انسان کے علاوہ جتنی بھی ذی روح مخلوق ہے اس کے افراد میں اچھائی اور برائی کی تمیز نہیں ہے۔ ہاں تحفظ جان کا شعور اُن میں بھی فطرتاً رکھ دیا گیا ہے' جبکہ نیکی اور برائی کا شعور صرف انسان میں ودیعت کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے علاوہ کوئی جاندار مخلوق اچھے یا برے کام کی جواب دہ نہیں ہے' بلکہ چرند' پرند' درندے اور دوسرے جانور مر کے مٹی ہو جائیں گے اور ان سے زندگی میں کیے ہوئے افعال کی باز پرس نہ ہوگی' جبکہ انسان اپنے ہر عمل کا جواب دہ ہوگا۔ اگر اس نے بھلے کام کیے ہوں گے تو ثواب پائے گا اور برے کاموں کے بدلے اگلی زندگی میں سزا بھگتے گا۔ اور یہ عین انصاف ہے۔ اگر کوئی انسان پیدائشی طور پر یا کسی بیماری کی وجہ سے ایسا معذور ہو جائے کہ وہ اچھائی اور برائی کا احساس کھو بیٹھے تو وہ نیک کام کرنے کا مکلّف بھی نہ رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص جو ہوش و حواس رکھتا ہو مگر اس کی زندگی میں نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی کوئی فکر نہ ہو تو ایسا شخص انسان کہلانے کا حق دار نہیں' بلکہ وہ اپنی زندگی جانور کی سطح پر گزار رہا ہے' اور وہ تو انسان نما حیوان ہے' کیونکہ وہ خداداد شرافت کھو بیٹھا ہے۔

اگر کسی بھیڑ بکری کو مذبحہ خانے کی طرف لے جایا جا رہا ہو تو وہ بلا حیل و حُجّت چلی جا رہی ہوگی' خواہ جس آدمی نے اسے پکڑ رکھا ہو وہ اس کے ہاتھ میں چھری بھی دیکھ لے۔ ہاں جب اُسے ذبح کے لیے لٹا دیا جائے تو اب اس میں تحفّظِ جان کا احساس پیدا ہوگا اور وہ ذبح کرنے والے سے بچ نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے گی۔ مگر انسان کا یہ حال نہیں' اس لیے کہ وہ تو عقل

وشعور رکھتا ہے اور جس کام میں اسے فائدہ نظر آتا ہے وہ کرتا ہے اور جس کام میں وہ نقصان دیکھتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے۔ دیکھئے دس روپے کا نوٹ کہیں راستے میں پڑا ہو تو گھوڑا' گدھا' گائے' بکری اسے پاؤں میں روند کر نکل جائیں گے' مگر انسان اسے اٹھا لے گا کہ یہ مفید چیز ہے۔ لہٰذا انسان کو اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہیے کہ جو چیز اسے دوسری ذی روح مخلوق کے مقابلے میں اشرف بناتی ہے وہ نیکی اور بدی کی پہچان ہے۔

نیکی اور بدی کی یہ پہچان اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر ہر انسان کے وجود میں رکھی ہے۔ اس فطری پہچان کی وجہ سے ہی اسے اپنے اعمال کا جواب دینا پڑے گا۔ کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکے گا کہ مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ بے گناہ کا قتل کرنا برا ہے یا یہ کہ کسی کی چیز پر بلاوجہ قبضہ کر لینا' رشوت لینا' دھوکہ دینا' کم تولنا' ایسے اعمال تھے جن کی برائی مجھے معلوم نہ تھی۔ اس سوال کا اس کے پاس کیا جواب ہوگا کہ تجھے انسان پیدا کیا تھا مگر تم نے فطرتِ انسانی کے خلاف عمل کیے اور اپنے آپ کو انسانیت کا اہل نہ سمجھا بلکہ حیوانی طرزِ زندگی اختیار کی اور انسانی و حیوانی زندگی کا فرق ملحوظِ خاطر نہ رکھا؟ حالانکہ ربّ رحیم خالق نے اچھائی اور برائی کی تمیز ہر انسان میں ودیعت کر رکھی ہے۔ اسی وجہ سے تو انسان مسئول ہے اور وہ ہمہ وقت امتحان میں ہے کہ وہ فطرت کی ودیعت کردہ اس نعمت کی قدر کرتا ہے یا نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک:۲) ''اللہ نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔''

اچھائی اور برائی کی یہ تمیز صرف مسلمانوں میں ہی نہیں بلکہ ہر انسان میں موجود ہے' خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو۔ اچھے اور برے اخلاق کا فرق ہر شخص جانتا ہے۔ اگر وہ برا کام کرتا ہے تو فطرت کے دیے ہوئے علم کی ناقدری کرتا ہے جس کے لیے اسے سزا کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا یا حق دبا لینا' اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسروں پر ظلم کرنا وغیرہ' کوئی انسان بھی ایسا نہیں جو ان ناجائز کاموں کو جائز سمجھتا ہو۔ پھر کرتا کیوں ہے؟ اس لیے کہ وہ دھوکے میں ہے' وہ شیطان کے بہکاوے میں آ چکا ہے اور اس بات سے غافل ہے کہ ایک دن انصاف کا ہوگا' جس دن انصاف کرنے والا خالق دو جہاں ہوگا۔ اس کے انصاف میں کسی طرح کی جھول نہ ہوگی۔ کوئی دوسرا گرفتار کیے ہوئے کو

نہ چھڑا سکے گا۔ عقل سلیم انصاف کو تسلیم کرتی ہے اور قرآن میں کئی جگہ یہ آیت موجود ہے: ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (الانعام، بنی اسرائیل، فاطر، الزمر) ''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔ دنیا کے دھوکے باز لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ فلاں فلاں تمہیں گرفت الٰہی سے بچالیں گے، جو بھی کام کرو گے تمہیں اس کی سزا نہیں ملے گی۔ یا پھر یہ دھوکہ دیا جاتا ہے کہ انسان کا پیدا کرنے والا غفور و رحیم ہے اور اس کو ہر انسان کے ساتھ حد درجہ محبت ہے، لہٰذا وہ کسی انسان کو کیوں سزا دے گا؟ وہ تو ہر کسی کو معاف کر دے گا۔ ایسے دھوکوں میں پڑنے والا انسان جاہل ہے، قرآنی تعلیم سے ناواقف بنا ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے سبق لینے والا نہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے لیے بس اللہ اور رسولؐ پر ایمان لانے کو کافی سمجھتا ہے، حالانکہ قرآن پاک میں اللہ اور رسول پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ عمل صالح کی بھی بار بار تاکید ہے۔ اور آپؐ کا اُسوۂ حسنہ اور آپؐ کے تربیت یافتہ اصحاب کی زندگیاں اس پر شاہد ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت حقیقی کامیابی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد)

''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔''

جو شخص فسق و فجور کی زندگی گزار رہا ہے وہ اپنے انجام سے غافل ہے اور اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔ انصاف تو ہو کر رہتا ہے اور انصاف اس لیے بھی ضروری ہے کہ دنیا کی زندگی میں اوّل تو برائی کرنے والے کو سزا نہیں ملتی اور اگر بالفرض مل بھی جائے تو وہ عموماً انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتی، لہٰذا آخرت کا محاسبہ ضروری ہے، جہاں قادرِ مطلق ربّ العزت انصاف کرے گا اور کسی کو بھی استثناء حاصل نہ ہوگا۔ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ (البقرۃ)

''پھر اللہ بخشے گا جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

دنیا کی زندگی میں جو شخص دھوکہ کھاتا ہے وہ اس کا خود ذمہ دار ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

ہر انسان پر نیکی اور بدی واضح کر دی ہے اور یہ وضاحت ہر چھوٹے بڑے کو حاصل ہے۔ مکہ کے بُت پرست بھی اللہ عزوجل کی ہستی کے قائل تھے اور خانہ کعبہ کو اللہ کا گھر تسلیم کرتے تھے اور یہ بھی مانتے تھے کہ اسے ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ جب خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کا مرحلہ آیا تو قریش نے چندہ اکٹھا کیا۔ نیکی اور بدی کا واضح ہونا ان مشرکوں پر اس قدر واضح تھا کہ انہوں نے اللہ کے گھر کی تعمیر پر صرف حلال اور جائز طریقے سے حاصل کیے گئے مال کو لگانا ضروری سمجھا۔ ان کی اکثر کمائی لوٹ مار اور ناجائز کاموں کی ہوتی تھی مگر اس موقع پر وہ جائز طریقے سے کمایا ہوا اتنا مال اکٹھا نہ کر سکے کہ کعبے کی عمارت مکمل بنا سکیں۔ چنانچہ انہوں نے اس مقدس گھر کا ایک حصہ تعمیر نہ کرنا مناسب سمجھا اور وہ یونہی چھوڑ دیا گیا۔ وہ حصہ آج بھی کعبۃ اللہ کی عمارت کے ساتھ ملحق ہے اور اسے ''حَطیم'' کہتے ہیں۔ ''حطیم'' کو خانہ کعبہ کی عمارت کا حصہ شمار کیا جاتا ہے اور طواف کرنے والے خانہ کعبہ کے ساتھ اس کا بھی طواف کرتے ہیں۔ دیکھا آپ نے، اچھائی اور برائی کی شناخت انسان کے ذہن میں کس قدر راسخ ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے، مگر جائز اور ناجائز کمائی کو وہ کس قدر خوبی سے جانتے تھے، کیونکہ خوب و زشت کی پہچان انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

مشرکین، خانہ کعبہ کا طواف بے لباس ہو کر کیا کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ کعبہ اللہ کا گھر ہے اور اللہ کے گھر کا طواف ناجائز طریقے سے کمائے اور بنائے ہوئے لباس سے کرنا برائی ہے۔ اللہ کے گھر کا طواف تو صاف ستھرے یعنی حلال مال سے بنائے ہوئے لباس سے ہونا چاہیے۔ چونکہ ان کا پیشہ لوٹ مار تھا اور کاروبار میں بددیانتی تھی اور یہی ناجائز کمائی خرچ کر کے وہ اپنا لباس تیار کرتے تھے، لہٰذا وہ اس کو برا جانتے تھے کہ حرام کمائی سے تیار شدہ لباس پہن کر اللہ کے گھر کا طواف کریں۔ انہوں نے طواف کے وقت بے لباس ہونا برداشت کر لیا مگر حرام کمائی کا لباس نہ پہنا۔ معلوم ہوا کہ اچھائی اور برائی کی تمیز ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ یہ اس کا امتحان ہے کہ اچھائی کو اختیار کرتا ہے یا برائی کو!

بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ماں کی چھاتی سے دودھ چوستا ہے۔ دودھ چوسنا اس کو سکھانے کی ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بچے کی فطرت میں دودھ چوسنا ودیعت کر رکھا ہے۔ یہ فطری جذبہ حیوانات میں بھی موجود ہے۔ گھاس کھانا گھوڑے

گدھے‘ گائے‘ بکری‘ ہرن کی سرشت میں ہے۔ ان کو کسی نے نہیں سکھایا کہ گوشت ان کی خوراک نہیں‘ وہ ازخود گوشت نہیں کھاتے۔ اسی طرح شیر‘ چیتا‘ بھیڑیا ایسے جانور ہیں کہ ان کی خوراک گوشت ہے۔ گوشت کھانا ان کی سرشت میں شامل ہے‘ وہ بھوک سے مرتو سکتے ہیں مگر گھاس نہیں کھاتے۔ انسان کو بھی اپنے شعور کو کام میں لاتے ہوئے فطرت کی ودیعت کی ہوئی برائیوں سے رکنا چاہیے۔

اسی طرح شرم وحیا ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ یہ اسی فطرت کا تقاضا تھا کہ جب حضرت آدم اور حوا علیہما السلام شیطان کے بہکاوے میں آ کر ممنوعہ درخت کے قریب چلے گئے اور نتیجتاً ان دونوں کا لباس اُتر گیا تو شرم وحیا کے فطری جذبے کے تحت انہوں نے جھٹ سے اپنی شرمگاہوں کو درختوں کے پتوں سے ڈھانپ لیا۔ شرم و حیا کے اس فطری جذبے کی خلاف ورزی جرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ)) (صحیح البخاری‘ عن عقبة بن عمرو رضی اللہ عنہ)

’’جب تو حیا چھوڑ دے تو جو دل چاہے کر!‘‘

یعنی اب تو انسانیت کھو بیٹھا ہے اور تو نے حیوانیت کو پسند کر لیا ہے۔ حیا کی تعلیم اس قدر فطری ہے کہ جو بچہ چلنے پھرنے لگے تو وہ دوسروں کے سامنے ننگا آنا پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح مرد اور عورت کے درمیان شرم وحیا کا جذبہ فطری ہے‘ مگر گمراہ انسان نے اس کو بھی پامال کر دیا اور جسم کے اکثر حصے کی نمائش کو فیشن سمجھ لیا۔ شرم وحیا سے نکل جانے کے اس عمل کو فخر کے ساتھ قبول کر کے فسق و فجور میں جا پڑا۔ ماں باپ کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں تو وہ ان کی پرورش کرتے ہیں اور جب وہ بلوغت کی عمر کو پہنچتے ہیں تو ان کی شادی کا انتظام کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ حیوان نما انسان نے اس پابندی کو بھی ناروا سمجھا۔ ماں باپ نے بھی اولاد کی شادیاں کرنے کی ذمہ داری سے فراغت حاصل کر لی اور اب ان کے بچے آزاد ہیں‘ جہاں ان کا دل چاہے اپنے شہوانی جذبات کی تسکین کر لیں۔ نکاح کا ادارہ بے وقعت ہو گیا۔ یہ طرزِ عمل اختیار کرنا شرم وحیا کو چھوڑنا ہے جس کا نتیجہ کسی طور بھی اچھا نہیں نکل سکتا۔ جن قوموں نے حیا کے اس فطری جذبے کو چھوڑ دیا ہے وہ اس کے برے نتائج دیکھ رہی ہیں۔ چونکہ وہ شرم وحیا کی طرف نہیں لوٹ سکتے لہٰذا وہ دوسروں کو بھی شرم وحیا سے عاری ہونے کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اور تو اور مسلمان بھی

اس بے شرمی کو قبول کر رہے ہیں اور مرد و زن کے بے محابا اختلاط کو رواج دے رہے ہیں‘ حالانکہ ہمارا دین جو اللہ تعالیٰ کا واحد پسندیدہ دین ہے‘ ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ شرم وحیا کو چھوڑ دیں۔ قرآن مجید میں اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝۳۲﴾ (بنی اسرائیل)

’’اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو‘ کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔‘‘

اختلاطِ مرد و زن اور بدنظری اسی لیے منع ہے کہ یہ زنا کی مبادیات ہیں۔ یہ فطری بات ہے کہ کوئی شخص پسند نہیں کرتا کہ کوئی دوسرا اس کی بیوی یا بہن پر بُری نظر ڈالے۔ پھر وہ اپنے لیے اسے کیوں جائز سمجھتا ہے؟ اسی لیے حکم ہے کہ اپنی نظروں کو پاکیزہ رکھو۔ ماں باپ نے تکلیف اٹھا کر اولاد کو پرورش کیا تو اب اولاد کا فرض ہے کہ وہ بڑھاپے میں ماں باپ کی خدمت کریں اور ان کے لیے سکون اور چین کا باعث ہوں۔ یہی اسلامی تعلیم ہے۔ نام نہاد ترقی یافتہ قومیں شہوانی تعلیمات کو نصاب تعلیم میں شامل کر رہی ہیں‘ حالانکہ جس ذاتِ بابرکت نے نومولود کو دودھ چوسنا سکھایا ہے‘ اس نے شہوانی جذبات کی تسکین کے لیے جائز طریقہ اور راستہ بھی انسان کو فطرتاً سکھایا ہے اور اس کے لیے کسی مصنوعی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ یہ تعلیم اس قدر فطری ہے کہ ہر طرح کے جانور بچے پیدا کرتے ہیں اور انہیں یہ کام فطرت ہی سکھاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نیکی اور بدی کو پہچاننے اور نیکی کے کرنے اور برائی سے باز رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ❁❁❁

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولِ عام تالیف
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص: 55 روپے اشاعت عام: 30 روپے

حیاء: باطنی زندگی کا دوسرا نام

حافظ عطاء الرحمٰن

حیاء اور حیاۃ یہ دونوں عربی زبان کے لفظ ہیں اوران کا مادہ یعنی حروفِ اصلی ح ی ی ہے۔ مادہ کے اشتراک کی وجہ سے ان کے معنی میں بھی ایک طرح کا اشتراک پایا جاتا ہے۔ ذیل کی سطور میں ان دونوں لفظوں کے اشتراکِ معنوی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حیات کے لغوی معنی 'زندگی' کے ہیں۔ اس کے مادہ ح ی ی سے مشتق کئی الفاظ قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ ان سب میں 'زندگی' کے معنی ہی مشترک ہیں۔ البتہ زندگی (life) ایک درجہ اور مرحلہ کی چیز نہیں ہے بلکہ اس کے بے شمار مراحل اور انواع واقسام ہیں۔ لفظ حیاۃ کے درج ذیل استعمالات سے اس حقیقت کی طرف چند اشارے ملتے ہیں۔

☆ حیات' قوتِ نامیہ کو کہتے ہیں یعنی نشو ونما کی صلاحیت' جو حیوانات اور نباتات میں پائی جاتی ہے اور جمادات میں نہیں پائی جاتی۔ اس معنی میں نبات (اُگنے والی چیز) کو بھی حی (زندہ) کہا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ؕ﴾ (قٓ: ۱۱)

''اور اس (پانی) سے ہم نے مردہ شہر (یعنی زمین افتادہ) کو زندہ کیا۔''

یہ صلاحیت جاندار مخلوقات میں کامل درجے کی ہوتی ہے کہ وہ حساس جسم والے اور متحرک بالارادہ ہوتے ہیں' اس لیے عام طور پر حیات کا لفظ نباتات کے مقابلے میں صرف جاندار مخلوقات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ زندگی کی ابتدائی شکل حرکت کرنا اور رینگنا ہے۔ اس معنی میں بھی عربی میں سانپ کو حَیَّۃٌ کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:

﴿فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَّسْعٰی ۝۲۰﴾ (طٰہٰ)

''موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے عصا کو زمین پر ڈالا تو اچانک وہ سانپ (حرکت کرنے والی

مخلوق) بن کر دوڑنے لگا۔''

☆ ایک زندگی تو اس دنیا کی ہے جو کہ بہت ہی محدود اور عارضی ہے اور دوسری زندگی آخرت کی ہے جو کہ لامحدود اور دائمی ہے۔ یہ اُخروی زندگی کامل واکمل درجے میں ہوگی' اس لیے اس کو اصل زندگی قرار دیا گیا ہے:

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝۶۴﴾ (العنکبوت)

''اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے' اور بے شک آخرت کا گھر ہی اصل 'زندگی' ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھتے۔''

☆ حیات کا لفظ مجازاً بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ سونے اور جاگنے کے وقت کی مسنون دعاؤں میں سو جانے کو مر جانا اور جاگ جانے کو احیاء (زندہ کر دینا) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی طرح شعور اور قلبی بیداری کو حیات سے اور عدمِ توجہی اور غافل ہو جانے کو موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ﴾ (الانعام: ۱۲۲)

''بھلا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لیے روشنی کر دی جس کے ذریعے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے' کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہوا ہو اور اس سے نکل ہی نہ سکے۔''

اس آیت مبارکہ میں موت سے مراد غفلت اور بے توجہی ہے اور حیات سے مراد انسان کا جاگ جانا اور کسی اہم بات پر پہلے غور نہ کرنے اور عدم توجہ پر حیرت کا احساس ہونا ہے۔ عربی کا شعر ہے ؎

وَقَدْ نَادَیْتَ لَوْ اَسْمَعْتَ حَیًّا وَلٰکِنْ لَا حَیَاةَ لِمَنْ تُنَادِی

''اگر تم کسی زندہ شخص کو سناتے تو تمہارا پکارنا (مفید) ہوتا' لیکن تم جسے پکار رہے ہو اس میں کوئی زندگی ہی نہیں ہے۔''

اسی طرح مجازاً کسی غلام قوم کو 'مردہ قوم' اور آزاد قوم کو 'زندہ قوم' کہا جاتا ہے۔ بقول اقبال ع قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف!

اسی طرح اجتماعی سطح پر بے عملی اور دین سے دوری کو 'موت' سے اور بے عملی کو دور کرنے اور معاشرے کو اپنے مقصدِ تخلیق کی طرف بلانے کو اس کو زندہ کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ لسانِ حق ترجمان حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَ هُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ)) (رواه الدارمی، عن الحسن مرسلاً)

''جس شخص کو اس حالت میں موت آئی کہ وہ علم اس نیت سے حاصل کر رہا تھا کہ اس کے ذریعے اسلام زندہ کرے، تو اُس کے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان جنت میں صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔''

اس حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ قوم اور سوسائٹی کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف اور قرآن مجید کی طرف بلانا اور بدعملی سے نیک عملی کی طرف لانا اسلام کو زندہ کرنا ہے۔ 'احیائے اسلام' کی اصطلاح یہیں سے بنی ہے۔ گویا معاشرے اور اجتماعی سطح پر اسلام پر عمل درآمد ہے تو مسلمانوں کا معاشرہ زندہ ہے اور بے عملی ہے اور حد سے زیادہ گراوٹ ہے تو وہ معاشرہ مردہ اور بے جان معاشرہ ہے۔

حیاء اور استحیاء

قرآن مجید میں استحیاء کا لفظ حیاء کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

﴿فَجَاءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَاءٍ﴾ (القصص:۲۵)

''ان دو میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی جو حیاء پر چل رہی تھی۔''

زین الدین عراقی نے شرح التقریب میں نقل کیا ہے

اَلْحَيَاءُ مَمْدُوْدٌ وَهُوَ الِاسْتِحْيَاءُ، قَالَ الْوَاحِدِيُّ قَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ: الِاسْتِحْيَاءُ مِنَ الْحَيَاةِ، وَاسْتِحْيَاءُ الرَّجُلِ مِنْ قُوَّةِ الْحَيَاةِ فِيهِ لِشِدَّةِ عِلْمِهِ بِمَوَاقِعِ الْعَيْبِ، قَالَ: فَالْحَيَاءُ مِنْ قُوَّةِ الْحِسِّ وَ لُطْفِهِ وَ قُوَّةِ الْحَيَاةِ

''حیاء (مد کے ساتھ) کا معنی استحیاء ہے۔ اہلِ لغت نے کہا ہے کہ استحیاء (حیاء) حیات سے (ماخوذ) ہے۔ اور آدمی کا حیاء کرنا اس میں قوتِ حیات کی وجہ سے ہے، کیونکہ وہ عیب دار کرنے والے مواقع کو خوب جانتا ہے۔ لہٰذا حیاء حس کے قوی ہونے اور حیات (زندگی) کی قوت کی وجہ سے ہوتی ہے۔''

انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے اور حقیقی حیات تو روح اور جسم کے ساتھ ہی ہے۔ یعنی

حقیقی انسان وہ ہے جس کی روح زندہ ہے، یا وہ زندہ ضمیر ہے۔ انسان کی روح مرجائے یا وہ مردہ ضمیر ہوجائے تو ایسے لوگوں کو قرآن 'چوپائے' بلکہ چوپایوں سے بھی بدتر قرار دیتا ہے (الاعراف:۱۷۹) یعنی یہ لوگ چلتے پھرتے انسانی شکل میں جانور ہیں۔

جسم نظر آتا ہے اور روح نظر نہیں آتی۔ تو ایک اوسط درجہ کے معقول انسان کے لیے یہ اندازہ لگانا کیسے ممکن ہے کہ اس کے اندر روح زندہ ہے یا مردہ ہوگئی ہے؟ اور اسے 'حیات' کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے یا کمتر یا قریب الموت ہے؟ یہ پہچان ہر انسان کی ضرورت ہے تاکہ اپنے اندرونی احوال اور کیفیات کا تجزیہ کرکے اپنے لیے اصلاح اور تربیت کی تدابیر کرسکے۔ اس شدید ضرورت کے احساس کو ربّ کائنات اور فاطر فطرت سے زیادہ کون جان سکتا ہے؟ اس عظیم ذات نے اس کا بڑے شاندار انداز میں اہتمام فرمایا ہے تاکہ بینا و نابینا اور ہر کس و ناکس اور عامی و عالم اور پیر و جوان سب اس کی پہچان کرسکیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے لیے انسان کے اندر فطری طور پر نیکی و بدی میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھ دی ہے اور دنیا کا ہر انسان اس کا اِدراک رکھتا ہے۔ اس لیے ہر معاشرے میں انسانی اقدار کا تصور موجود ہے اور بری باتوں کے لیے سماجی برائیوں (social evils) کا تصور عام ہے اور بلا استثناء دنیا کے ہر معاشرے میں بڑی گہری بنیادیں رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں اسے ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸﴾ (الشمس) ''پھر اسے بدکاری اور پرہیز گاری کی سمجھ دی'' اور ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۰﴾ (البلد) ''اور اس کو (خیر و شر) کے دونوں رستے بھی دکھادیے'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور حدیث پاک میں ((اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ)) ''اپنے دل سے پوچھ'' الفاظ وارد ہیں۔ ایک دوسری روایت میں مَا الْإِثْمُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ کے سوال پر آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: ((اَلْإِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ نَفْسِكَ)) ''گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے''۔ اس کے لیے اردو زبان میں 'ضمیر' کا لفظ عام ہے اور اسی کے لیے ہماری دینی اصطلاح کے طور پر 'حیاء' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

حَقِيقَةُ الْحَيَاءِ خُلُقٌ يَبْعَثُ عَلَى تَرْكِ الْقَبِيحِ وَ يَمْنَعُ مِنَ التَّقْصِيرِ فِي حَقِّ ذِي الْحَقِّ

''حیاء کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک جبلت ہے جو برائی کو چھوڑنے پر آمادہ کرتی ہے اور کسی حق دار کے حق میں کوتاہی کرنے سے روکتی ہے۔''

حیاء سے انسان کی باطنی اور روحانی حیات مراد ہے۔ یعنی اگر اندر کا انسان زندہ ہے تو انسان کے اندر 'حیاء' کا مادہ ہوگا اور اندر کا انسان مر چکا ہے' ضمیر مردہ ہو چکا ہے (جس کی انتہائی کیفیت کا ذکر سورۃ الاعراف: ۱۷۹ میں آیا ہے) تو حیاء ختم ہوگئی۔ اسی بات کی عمومی وضاحت اور عوامی سطح پر افہام و تفہیم کی غرض سے جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ))

(صحیح البخاری، عن عقبة بن عمرو رضی اللہ عنہ)

''جب تو بے حیا ہو جائے تو جو جی چاہے کر۔''

یعنی حیاء ختم ہو جائے اور انسان کے اندرونی احساسات ختم ہو گئے ہوں اور گاڑی کی بریک کی طرح انسان کو برائی سے روکنے کا داعیہ بے کار ہو گیا ہو تو اب ایسا انسان جو چاہے کر لے' اس کے اندر کا انسان اسے کوئی لعنت و ملامت نہیں کرے گا اور پشیمانی اور ندامت کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا۔ ع ''بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن!''

گویا حیاء انسان کے شرفِ انسانی کے ظہور اور اس کی حفاظت کا فطری اور قدرتی شاہکار بھی ہے اور انسانیت کا حسن بھی ہے۔ اس کی حفاظت اپنے شرفِ انسانی کے تحفظ کے لیے بہت ضروری ہے اور جدید دور میں اس حیاء کو محفوظ رکھنا بھی قریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ بقول علامہ اقبال

؎ حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ!

کاش آج کا مسلمان نوجوان (مرد و عورت) بھی اپنی جوانی بے داغ رکھنے میں کامیاب ہو سکے۔ (آمین!)

حیاء: حیاتِ روحانی' فرمانِ رسالت کی روشنی میں

☆ ((اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ)) (متفق علیہ' عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

''حیا ایمان کا حصہ ہے۔''

☆ ((وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ)) (متفق علیہ، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

''اور حیا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔''

☆ ((اَلْحَيَاءُ وَالْاِيْمَانُ مَقْرُوْنَانِ، لَا يَفْتَرِقَانِ اِلَّا جَمِيْعًا))

(رواہ الطبرانی، عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ)

''حیا اور ایمان جڑے ہوئے ہیں' دونوں جدا نہیں ہوتے مگر اکٹھے۔''

☆ ((اَلْحَيَاءُ وَالْاِيْمَانُ قُرِنَا جَمِيْعًا، فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ))

(مستدرک حاکم، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ)

''حیا اور ایمان جوڑ دیے گئے ہیں' جب ان میں سے ایک اٹھا لیا جائے تو دوسرا اٹھا لیا جاتا ہے۔''

☆ ((اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ)) (صحیح مسلم، عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ)

''حیا سراسر خیر ہے۔''

☆ ((اَلْحَيَاءُ لَا يَاْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ)) (متفق علیہ، عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ)

''حیا ہمیشہ خیر ہی لاتی ہے۔''

☆ ((اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَالْاِيْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ)) (سنن الترمذی، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

''حیا ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت میں (جانے کا ذریعہ) ہے' اور فحش گوئی بداخلاقی کی وجہ سے ہے اور بداخلاق ہونا دوزخ میں (جانے کا ذریعہ) ہے۔''

☆ ((اَلْحَيَاءُ وَ الْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِيْمَانِ، وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ))

(سنن الترمذی' عن ابی امامة رضی اللہ عنہ)

''حیا اور کلام سے عاجز ہونا دونوں ایمان کے شعبے ہیں' اور فحش گوئی اور بیان بازی دونوں نفاق کے شعبے ہیں۔''

☆ ((اَلْحَيَاءُ وَالْاِيْمَانُ فِيْ قَرْنٍ، فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْآخَرُ))

(رواہ الطبرانی' عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

''حیا اور ایمان ایک ہی وقت میں ہوتے ہیں' جب ان میں سے ایک سلب کر لیا جائے تو دوسرا بھی اس کے تابع ہوتا ہے۔''

☆ ((اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ وَاَحْيٰى اُمَّتِيْ عُثْمَانُ)) (ابن عساکر' عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

''حیا ایمان کا حصہ ہے اور میری امت کا سب سے بڑا باحیا شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔''

☆ ((لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقٌ، وَ خُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ)) (موطا مالک)

''ہر دین کا کوئی خاص خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے۔''

(تشکر: ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' جھنگ)

❁ ❁ ❁

محرم الحرام کی عظمت

مسائل وفضائل اور احکام

پروفیسر عبدالعظیم جانبازؔ

محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ ''محرم'' کا لفظ تحریم سے بنا ہے اور تحریم کا لفظ حرمت سے نکلا ہے۔ حرمت کا لفظی معنی عظمت' احترام وغیرہ ہے۔ اس بناء پر محرم کا مطلب احترام اور عظمت والا ہے۔ چونکہ یہ مہینہ بڑی عظمت اور فضیلت رکھتا ہے اور بڑا مبارک اور لائقِ احترام ہے' اس لیے اسے محرم الحرام کہا جاتا ہے۔

یوں تو محرم کا پورا مہینہ ہی مبارک ہے مگر جس طرح رمضان کا آخری عشرہ پہلے دو عشروں سے افضل ہے اور آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کی رات سب سے افضل ہے' اسی طرح اس مہینہ میں عاشورہ کا دن تمام ایام سے افضل ہے۔ عاشورہ کا مطلب دسواں ہے۔ یہ دن چونکہ دسویں تاریخ کو آتا ہے اس لیے اسے عاشورہ کہتے ہیں۔

اسلامی سالِ نو کا آغاز ماہِ محرم الحرام سے ہوتا ہے۔ ماہِ محرم نہایت ہی فضائل و برکات کا حامل مہینہ ہے۔ یہ مہینہ اپنی خصوصیات اور امتیازات کی وجہ سے دیگر ماہ وشہور سے علیحدہ شناخت رکھتا ہے۔ اس ماہِ حرام کی حرمت اور تعظیم زمانۂ جاہلیت سے چلی آ رہی تھی۔ لوگ اس ماہِ مقدس میں اپنی لڑائیاں موقوف کر دیا کرتے تھے اور جنگ وجدال سے باز آ جاتے تھے۔ گویا یہ ماہِ مقدس نہ صرف اسلام میں برکت وفضائل کا حامل قرار پایا' بلکہ اس کا تقدس واحترام اور اس کی قدر وعظمت زمانہ جاہلیت سے چلی آ رہی تھی۔ اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں اس ماہ کی عظمت وحرمت کا اعلان بایں طور کیا ہے:

☆ azeemjanbaz77@gmail.com

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ﴾ (التوبۃ:۳۶)

''بے شک اللہ کے ہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے اللہ کی کتاب میں جس دن سے اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کیے' ان میں سے چار عزت والے ہیں۔''

یہ چار مہینے ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب ہیں' جن کا تذکرہ حدیث میں آیا ہے۔

اسلام کی آمد کے بعد بھی اس ماہ کی حرمت وعظمت کو اس کی سابقہ حالت پر برقرار رکھا گیا کہ یہ حضرات ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے باقیاتِ صالحات میں سے تھے جس کو لوگ اپناتے آ رہے تھے۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں اس ماہ کو ''الشّھر الحرام'' (حرمت کا مہینہ) اور ''شَھرُ اللّٰہ'' (اللہ کا مہینہ) قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللَّهِ الْمُحَرَّمُ)) (۱)

''سب سے زیادہ فضیلت والے روزے رمضان کے روزوں کے بعد اللہ کے مہینہ محرم الحرام کے روزے ہیں۔''

اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''اس روایت میں نبی کریم ﷺ نے ماہ محرم کو اللہ عزوجل کا مہینہ قرار دیا ہے جو اس کی عظمت اور تقدس کو بتلانے کے لیے کافی ہے' کیونکہ اللہ عزوجل اپنی نسبت صرف اپنی خصوصی مخلوقات کے ساتھ ہی فرماتے ہیں۔''

یومِ عاشوراء زمانۂ جاہلیت میں قریشِ مکہ کے نزدیک بڑا محترم دن تھا۔ اسی دن خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں ان تک پہنچی ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ قریش ملتِ ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے ان کاموں میں آپ ﷺ ان سے اتفاق واشتراک فرماتے تھے' اسی بنا پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ اپنے اس اصول کی بنا پر آپ ﷺ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے' لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہاں یہود کو بھی آپ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا اور ان کی یہ روایت پہنچی کہ یہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور

اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو آپ ﷺ نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا اور مسلمانوں کو بھی عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں۔ (صحیح بخاری)

بعض احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لیے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یومِ عاشورہ کی صبح مدینہ منورہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے' یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ رکھیں' اور جنھوں نے کچھ کھا پی لیا ہو وہ بھی دن کے باقی حصے میں کچھ نہ کھائیں' بلکہ روزہ داروں کی طرح رہیں۔ بعد میں جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کی حیثیت ایک نفل روزہ کی رہ گئی۔ لیکن اس کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزوں میں سب سے زیادہ اسی روزہ کا اہتمام فرماتے تھے' جیسا کہ حدیث آگے آرہی ہے۔

فضیلت کا مدار

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام اشیاء کی طرح زمانے کے بھی خالق ہیں' اس لیے زمانے کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے' اس لیے ہم اپنی عقل سے ایک زمانے کو دوسرے زمانے پر فضیلت نہیں دے سکتے۔ اس اعتبار سے کسی دن کو کسی دن پر' ہفتے کو دوسرے ہفتے پر' مہینے کو دوسرے مہینے پر اور سالوں میں سے کسی سال کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ تمام سال' مہینے' ہفتے' دن' گھنٹے' منٹ اور تمام لحظات اور سب لمحات یکساں اور برابر ہیں۔ لیکن اگر خود وحی سے معلوم ہو جائے کہ کسی زمانے میں انوارِ الٰہی اور تجلیاتِ ربانی کا خاص نزول ہوتا ہے تو یقیناً اسے فضیلت حاصل ہوگی۔ چنانچہ محرم الحرام کو واقعتاً خصوصی فضیلت حاصل ہے۔ آگے اس ماہ کی فضیلت اور فضیلت کی وجوہات کا بیان ہوگا۔

عاشورہ کی فضیلت کی وجوہات

عاشورہ کی فضیلت میں بالعموم تاریخ کے عظیم واقعات بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) یومِ عاشورہ میں ہی آسمان وزمین' قلم اور حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا۔

(۲) اسی دن حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ قبول ہوئی۔

(۳) اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا۔

(۴) اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہولناک سیلاب سے محفوظ ہوکر کوہِ جودی پر لنگر انداز ہوئی۔

(۵) اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ''خلیل اللہ'' بنایا گیا اور ان پر آگ گل گلزار ہوئی۔

(۶) اسی دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

(۷) اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانے سے رہائی نصیب ہوئی اور مصر کی حکومت ملی۔

(۸) اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کی حضرت یعقوب علیہ السلام سے ایک طویل عرصے کے بعد ملاقات ہوئی۔

(۹) اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم واستبداد سے نجات حاصل ہوئی۔

(۱۰) اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی۔

(۱۱) اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت واپس ملی۔

(۱۲) اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو سخت بیماری سے شفا نصیب ہوئی۔

(۱۳) اسی دن حضرت یونس علیہ السلام چالیس روز مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے بعد نکالے گئے۔

(۱۴) اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول ہوئی اور ان کے اوپر سے عذاب ٹلا۔

(۱۵) اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

(۱۶) اور اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے شر سے نجات دلا کر آسمان پر اٹھایا گیا۔

(۱۷) اسی دن دنیا میں پہلی بارانِ رحمت نازل ہوئی۔

(۱۸) اسی دن قریش خانۂ کعبہ پر نیا غلاف ڈالتے تھے۔

(۱۹) اسی دن حضور اکرم ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

(۲۰) اسی دن کوفی فریب کاروں نے نواسۂ رسول ﷺ اور جگر گوشۂ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میدانِ کربلا میں شہید کیا۔

(۲۱) اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ (۲)

اس طرح تاریخی تسلسل کے ساتھ اس دن کی عظمت کو بیان کیا جاتا ہے' حالانکہ ان میں

سے اکثر باتیں صحیح سند سے ثابت نہیں۔ تاہم نبی کریم ﷺ سے اس دن کی متعدد فضیلتیں وارد ہیں، چنانچہ:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَحَرَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلٰى غَيْرِهٖ اِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِيْ شَهْرَ رَمَضَانَ (۳)

''میں نے نبی کریم ﷺ کو کسی فضیلت والے دن کے روزہ کا اہتمام بہت زیادہ کرتے نہیں دیکھا، سوائے اس دن یعنی یومِ عاشوراء کے اور سوائے اس ماہ یعنی ماہِ رمضان المبارک کے۔''

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم ﷺ کے طرزِ عمل سے یہی سمجھا کہ نفل روزوں میں جس قدر اہتمام آپ ﷺ یومِ عاشوراء کے روزہ کا کرتے تھے، اتنا کسی دوسرے نفلی روزہ کا نہیں کرتے تھے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ لِيَوْمٍ فَضْلٌ عَلٰى يَوْمٍ فِي الصِّيَامِ اِلَّا شَهْرَ رَمَضَانَ وَيَوْمَ عَاشُوْرَاءَ)) (۴)

''روزہ کے سلسلے میں کسی بھی دن کو کسی دن پر فضیلت حاصل نہیں، مگر ماہِ رمضان المبارک کو اور یوم عاشوراء کو (کہ ان کو دوسرے دنوں پر فضیلت حاصل ہے)۔''

(۳) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ اِنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ التي قَبْلَهُ اَيَّام.....)) (۵)

''مجھے امید ہے کہ عاشوراء کے دن کا روزہ گزشتہ سال کے گناہوں کا کفّارہ ہو جائے گا۔''

ان احادیث شریفہ سے ظاہر ہے کہ یوم عاشوراء بہت ہی عظمت و تقدس کا حامل ہے، لہٰذا ہمیں اس دن کی برکات سے بھرپور فیض اٹھانا چاہیے۔

ماہِ محرم کی فضیلت اور اس کی وجوہات

یومِ عاشوراء کے ساتھ ساتھ شریعت مطہرہ میں محرم کے پورے ہی مہینے کو خصوصی عظمت

حاصل ہے، چنانچہ چار وجوہ سے اس ماہ کو تقدس حاصل ہے:

(۱) احادیث شریفہ میں اس ماہ کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ ماہ رمضان المبارک کے بعد کون سے مہینہ کے میں روزے رکھوں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہی سوال ایک دفعہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے بھی کیا تھا، اور میں آپؐ کے پاس بیٹھا تھا، تو آپ ﷺ نے جواب دیا تھا کہ:

((اِنْ كُنْتَ صَائِمًا بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ فَصُمِ الْمُحَرَّمَ فَاِنَّهُ شَهْرُ اللّٰهِ ، فِيْهِ يَوْمٌ تَابَ فِيْهِ عَلٰى قَوْمٍ وَيَتُوْبُ فِيْهِ عَلٰى قَوْمٍ آخَرِيْنَ)) (۶)

''ماہ رمضان کے بعد اگر تم کو روزہ رکھنا ہے تو ماہِ محرم میں رکھو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ (کی خاص رحمت) کا مہینہ ہے۔ اس میں ایک ایسا دن ہے جس میں (اللہ تعالیٰ نے) ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور آئندہ بھی ایک قوم کی توبہ اس دن قبول فرمائے گا۔''

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ)) (۷)

''ماہ رمضان المبارک کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ تعالیٰ کے مہینے (یعنی) محرم الحرام کا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ)) (۸)

''رمضان المبارک کے بعد اللہ کے مہینے محرم کے روزے سب روزوں سے افضل ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز آدھی رات (یعنی تہجد) کے وقت پڑھی جانے والی نماز ہے۔''

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَامَ يَوْمًا مِنَ الْمُحَرَّمِ فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ ثَلَاثُوْنَ يَوْمًا)) (۹)

''جو شخص محرم کے ایک دن میں روزہ رکھے اس کو ہر دن کے روزہ کے بدلہ تیس دن روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔''

(۲) مندرجہ بالا احادیث شریفہ سے دوسری وجہ یہ معلوم ہوئی کہ یہ "شھرُ اللّٰہ" ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتوں کا مہینہ ہے' تو اس ماہ کی اضافت اللہ کی طرف کرنے سے اس کی خصوصی عظمت وفضیلت ثابت ہوئی۔

(۳) یہ مہینہ "أشھر حُرم" یعنی ان چار مہینوں میں سے ہے کہ جن کو دوسرے مہینوں پر ایک خاص مقام حاصل ہے' وہ چار مہینے یہ ہیں: (۱) ذوالقعدہ (۲) ذوالحجہ (۳) محرم الحرام (۴) رجب۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(۴) اسلامی سال کی ابتدا اسی مہینے سے ہے۔ چنانچہ امام غزالی لکھتے ہیں: ''ماہِ محرم میں روزوں کی فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ اس مہینے سے سال کا آغاز ہوتا ہے' اس لیے اسے نیکیوں سے معمور کرنا چاہیے اور خداوندِ قدوس سے یہ توقع رکھنی چاہیے کہ وہ ان روزوں کی برکت پورے سال قائم رکھے گا۔''(۱۰)

یومِ عاشوراء میں کرنے کے کام

احادیث طیبہ سے یومِ عاشوراء میں صرف دو چیزیں ثابت ہیں:

(۱) روزہ: اس سلسلے میں روایات ماقبل گزر چکی ہیں' لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ احادیث میں نبی کریم ﷺ نے کفار ومشرکین کی مشابہت اور یہود ونصاریٰ کی بود وباش اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حکم کے تحت چونکہ تنہا یومِ عاشوراء کا روزہ رکھنا یہودیوں کے ساتھ اشتراک اور تشابہ تھا' دوسری طرف اس کو چھوڑ دینا اس کی برکات سے محرومی کا سبب تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقدس پیغمبر ﷺ نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ یوم عاشوراء کے ساتھ ایک دن کا روزہ اور ملالو۔ بہتر تو یہ ہے کہ نویں اور دسویں کا روزہ رکھو' اور اگر کسی وجہ سے نویں کا روزہ نہ رکھ سکو تو پھر دسویں کے ساتھ گیارہویں کا روزہ رکھ لو' تاکہ یہود کی مخالفت ہو جائے اور ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا تشابہ نہ رہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یومِ عاشوراء کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس دن کو یہود ونصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہوسکتی ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات ختم ہو جائے؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ)) قَالَ فَلَمْ يَأْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ (۱۱)

''جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو بھی روزہ رکھیں گے''۔ ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔

(۲) اہل وعیال پر رزق میں فراخی: شریعتِ اسلامیہ نے اس دن کے لیے دوسری تعلیم یہ دی ہے کہ اس دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے میں وسعت اور فراخی کرنا اچھا ہے' کیونکہ اس عمل کی برکت سے تمام سال اللہ تعالیٰ فراخیٔ رزق کے دروازے کھول دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَوْسَعَ عَلٰى عِيَالِهٖ وَأَهْلِهٖ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ أَوْسَعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ سَنَتِهٖ))(۱۲)

''جو شخص عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے کے سلسلے میں فراخی اور وسعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ پورے سال اس کے رزق میں وسعت عطا فرمائیں گے۔''

یہ روایت غیر مرفوع ہے اور محدثین نے اس کی اَسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔ البتہ امام مناوی رحمہ اللہ نے ''فیض القدیر'' میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''ہم نے اسے آزمایا ہے اور صحیح پایا ہے۔''

بعض رسمیں اور بدعات

اوپر کی تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ماہ محرم بہت ہی بابرکت اور مقدس مہینہ ہے' لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اس باعظمت مہینہ میں زیادہ سے زیادہ عبادات وحسنات میں مشغول ہوکر خدائے تعالیٰ کی خاص الخاص رحمت کا اپنے آپ کو مستحق بنائیں۔ مگر ہم نے اس مبارک مہینہ کو خصوصاً یومِ عاشوراء کو طرح طرح کی خودتراشیدہ رسومات وبدعات کا مجموعہ بنا کر اس کے تقدس کو اس طرح پامال کیا کہ الامان والحفیظ۔ اس ماہ میں ہم نے اپنے کو چند در چند خرافات کا پابند بنا کر بجائے ثواب حاصل کرنے کے الٹا معصیت اور گناہ میں مبتلا ہونے کا سامان کرلیا ہے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ جس طرح اس ماہ میں حسنات کا ثواب زیادہ ہو جاتا ہے' اسی طرح اس ماہ کے اندر معصیات کے وبال وعقاب کے بڑھ جانے کا بھی اندیشہ ہے۔

اس لیے ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس محترم مہینہ میں ہر قسم کی بدعات وخرافات سے احتراز کرے۔ اس ماہ کی بدعات ورسومات مشہور ومعروف ہیں' لہٰذا ان کے تذکرہ سے اجتناب کیا جارہا ہے۔

محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم

اس ماہِ مبارک میں سوگ کرنا بالکلیہ بے اصل اور دین کے نام پر دین میں زیادتی ہے' جس کا ترک لازم ہے' لہٰذا جب سوگ جائز نہیں ہے تو پھر شرعاً اس مہینے میں شادی کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے' بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے شادی ۲ ہجری میں اسی ماہِ مبارک میں ہوئی تھی۔ (۱۳)

اکابرین مفتیانِ عظام کے فتاویٰ میں اس کی تصریحات موجود ہیں' ذیل میں ''فتاویٰ رحیمیہ'' سے اس مسئلے کا جواب نقل کیا جاتا ہے:

''**الجواب**: ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ان کے خویش واقارب کی وفات پر تین دن ماتم اور سوگ کرنے کی اجازت ہے اور اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منانا ضروری ہے' دوسرے کسی کی وفات پر تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں' حرام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((لَا یَحِلُّ لِاِمْرَأَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰی مَیِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ، اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَعَشْرًا)) (متفق علیہ)

''جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے' اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی موت پر تین رات سے زیادہ سوگ کرے' مگر شوہر اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔''

ماہ مبارک محرم میں شادی وغیرہ کرنے کو نامبارک اور ناجائز سمجھنا سخت گناہ اور اہلِ سُنّت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ اسلام میں جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا گیا ہو' اعتقاداً یا عملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کا خطرہ ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ روافض سے پوری احتیاط برتیں' ان کی رسومات سے علیحدہ رہیں' ان میں شرکت حرام ہے۔ 'مالابدمنہ' میں ہے: مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است یعنی مسلمانوں کو کفّار وفساق کی مشابہت اختیار کرنی حرام ہے۔'' (۱۴)

کیا ماہ محرم صرف غم کی یادگار ہے؟

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ اگرچہ اسلامی تاریخ کا بہت بڑا سانحہ ہے' لیکن یہ صرف ایک واقعہ نہیں جس کی یاد محرم الحرام سے وابستہ ہے' بلکہ ماہِ محرم میں کئی دیگر تاریخی واقعات بھی رونما ہوئے ہیں' جن میں چند ایک افسوسناک ہیں تو کئی واقعات ایسے بھی ہیں جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا میں عاشورہ کے دن شکر کا روزہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی تھی۔ نیز اگر اتفاق سے شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا المیہ بھی اسی ماہ میں واقع ہوگیا تو بعض دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت بھی تو اسی ماہ میں ہوئی ہے۔ مثلاً سطوتِ اسلام کے عظیم علمبردار خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسی ماہ کی یکم تاریخ کو حالت نماز میں ابولؤلؤ فیروز نامی ایک مجوسی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اگر اسلام اسی طرح دن منانے کی اجازت دے دے تو شاید سال کا کوئی ہی دن ایسا باقی رہ جائے جس میں کوئی تاریخی واقعہ یا عظیم سانحہ رونما نہ ہوا ہو' اور اس طرح مسلمان سارا سال انہی تقریبات اور سوگوار ایام منانے اور ان کے انتظام میں لگے رہیں گے۔ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم' اہل بیت' صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین پر ایسی ایسی مشکل گھڑیاں آئیں کہ ان کے سننے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کیا شہادتِ حمزہ' شہادتِ عمر' شہادتِ عثمان ذوالنورین' شہادتِ علی المرتضیٰ اور شہادتِ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے لرزہ خیز واقعات سننے کی تاب کسی کو ہے؟ تو بتایئے کس کس کا دن منایا جائے؟

محرم الحرام کی بے حرمتی

ویسے تو جنگ وجدال' قتل وغارت گری' خونریزی اور فتنہ وفساد کی کسی بھی مہینے' ہفتے اور دن میں اجازت نہیں' تاہم حرمت والے مہینوں میں فتنہ وفساد کی ہر ممکنہ شکل سے اجتناب کرنے کا تاکیدی حکم ہے۔ لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ ماہِ محرم کی حرمت کو اتنا ہی پامال کرتے ہیں جتنا کہ اس کا لحاظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

ماہ محرم کی حرمت کی پامالی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت پر نالہ وشیون اور نوحہ وماتم کیا جاتا ہے' اپنے جسم کو از خود سخت تکلیفیں دی جاتی ہیں' تیز دھاری آلات سے جسم کو زخمی کیا جاتا ہے' شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے رنج وغم میں آہ وبکا کا ایسا عجیب

وحشیانہ اور خوفناک منظر برپا کیا جاتا ہے کہ الامان والحفیظ! جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نوحہ و ماتم کرنے والے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ))(۱۵)

''وہ شخص ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں جس نے رخسار پیٹے' گریبان چاک کیے اور دورِ جاہلیت کے بین کیے۔''

ماہِ محرم الحرام کی حرمت کی پامالی کی دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے مختلف گروہ آپس میں نہ صرف یہ کہ دست و گریبان ہوتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے ہیں۔ تقریباً ہر سال ماہ محرم میں کسی نہ کسی مسجد یا امام بارگاہ میں پرامن لوگ دہشت گردی کی کارروائی کا شکار ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ کہ اسلام تو عام دنوں میں بھی خونریزی' دہشت گردی اور فتنہ و فساد کی کسی بھی شکل کو پسند نہیں کرتا' پھر بھلا ماہِ محرم میں اسے کیسے پسند کرسکتا ہے؟ اس لیے اسلام سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ دہشت گردی کی ایسی کسی بھی کارروائی کو ناکام بنانے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ ویسے بھی یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر کوئی شخص فی الواقع کفر و شرک اور ارتداد کا مرتکب ہو رہا ہو اور واقعی وہ قتل کی سزا کا مستحق ہو چکا ہو تب بھی ایسے شخص یا گروہ کو سزائے قتل دینے کی مجاز صرف حکومتِ وقت ہے۔ ہر کہ و مہ کو اسلام یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو نافذ کرنا شروع کر دے!

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ دہشت گردی کی اکثر کارروائیوں میں اسلام مخالف اور وطن دشمن عناصر کا ہاتھ ہوتا ہے اور وہ مسلمانوں کے مسلکی و گروہی اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی فرقے کے لوگوں کو تخریب کاری کا نشانہ بنا کر دوسرے فرقے پر اس کا الزام لگا دیتے ہیں۔ پھر دوسرا فرقہ تحقیق کیے بغیر محض جوشِ انتقام میں مخالف فرقے کو نشانہ بناتا ہے' اور اس طرح تخریب کاری کا ایک غیر متناہی سلسلہ چل نکلتا ہے۔ اس لیے امن و امان کے قیام کے لیے ہمیں ان تمام پہلوؤں پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کی نگاہ میں خونِ مسلم کی حرمت انتہائی اہم حیثیت رکھتی ہے۔

شہادتِ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

اب ہم واقعہ کربلا کا ذرا تاریخی جائزہ لیتے ہیں' جس کا مقصد ایک غلط فہمی کی اصلاح اور

ایک خیال کی تصحیح ہے۔ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس سال تک حیات رہے' اس کے بعد دو ڈھائی سال تک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت رہی' دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ تقریباً گیارہ سال رہا اور خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ تقریباً چودہ سال رہی' اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تقریباً ساڑھے چار سال خلیفہ رہے' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ ماہ رہی۔ پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا اختتام ہوا اور اُموی دور کا آغاز ہوا۔ پہلے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان خلیفہ رہے اور پھر ان کے بعد یزید تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ یزید کے دور میں ہی ۶۱ھ میں نواسۂ رسول حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی مظلومانہ شہادت ہوئی۔

اس تاریخی جائزے سے صاف واضح ہے کہ جس وقت واقعہ کربلا ہوا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا اُس وقت اسلام پر نصف صدی سے زیادہ وقت گزر چکا تھا' لیکن لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عاشورہ اس لیے محترم اور فضیلت والا ہے کہ اس دن واقعہ کربلا ہوا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے اور آپ تفصیل سے پڑھ چکے کہ یہ دن پہلے سے فضیلت والا چلا آ رہا تھا' حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مبارک دن خلعتِ شہادت سے سرفراز فرمایا اور ان کی قربانی کو شرفِ قبولیت عطا فرمایا۔

اسوۂ حسینی

عین میدانِ جنگ میں جب کہ تیروں کی بارش' نیزوں کی چمک اور تلواروں کی جھنکار سے گھوڑے بھی آگے بڑھنے سے انکار کر دیتے ہیں' بڑے بڑے سورماؤں کے دل دہلنے اور قدم اکھڑنے لگتے ہیں' اس معرکۂ کارزار میں بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ روزے سے تھے' میدانِ جنگ میں بھی ان کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اہل بیت کی خواتین اس سخت آزمائش میں جب کہ کلیجے منہ تک آ گئے' اُس وقت بھی بے پردہ نہیں ہوئیں۔ یہی ان کی تعلیم' ان کا اسوہ اور دنیا کے لیے ان کا سبق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کا صحیح فہم عطا فرمائے' ہر قسم کے گناہوں اور معصیتوں سے محفوظ فرمائے اور اپنی اور اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت و اطاعت کی دولتِ عظمیٰ سے نوازے۔ آمین' ثم آمین!

حواشی

(۱) رواہ مسلم، کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم

(۲) نزھۃ المجالس :۱/ ۳۴۸،۳۴۷۔ معارف الحدیث: ۱۶۸/۴

(۳) صحیح البخاری، کتاب الصوم،باب صیام یوم عاشوراء ۔ وصحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صیام الاثنین والخمیس۔

(۴) رواہ الطبرانی والبیھقی، الترغیب والترھیب: ۱۱۵/۲۔

(۵) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام...... وسنن ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب صیام یوم عاشوراء۔

(۶) سنن الترمذی، ابواب الصوم، باب ما جاء فی صوم المحرم۔

(۷) سنن الترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی صوم المحرم۔

(۸) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم۔

(۹) الترغیب والترھیب: ۱۱۴/۲

(۱۰) احیاء العلوم اردو: ۶۰۱/۱۔

(۱۱) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب ای یوم صیام فی عاشوراء۔

(۱۲) رواہ البیھقی ، الترغیب والترھیب: ۱۱۵/۲۔

(۱۳) تاریخ مدینۃ الدمشق لابن عساکر، باب ذکر بنیہ وبناتہ علیہ الصلاۃ والسلام وأزواجہ

(۱۴) فتاویٰ رحیمیہ، ص ۱۳۱۔

(۱۵) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب لیس منا من شق الجیوب۔

❀❀❀

خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں
اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبویؐ طریق پر مشتمل

خلافت کی حقیقت
اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اشاعت خاص 200 روپے، اشاعت عام 120 روپے

''رضا بالجبر''

مسز بینا حسین خالدی☆

اقوامِ متحدہ کے ہیومن رائٹس کمیشن نے رکن ممالک میں حقوقِ انسانی کی صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد کچھ سفارشات مرتب کیں۔ سفارشات کے الفاظ کے مطابق ''زنا بالرضا'' (consensual sex-work in adults) کو دیگر انسانی حقوق کی طرح ایک انسانی حق تسلیم کیا جائے۔ مغربی یورپی ممالک اور مشرقِ وسطیٰ کی سیکولر ریاستوں میں تو پہلے ہی جدید تہذیب کے پیروکار گروہوں اور معاشروں میں اس نظریے کو بطور ''انسانی حق'' تسلیم کیا جاتا رہا ہے اور جنسی آزادی و جنسی مساوات کے عقیدے کے زیرِ اثر پھلنے پھولنے والے اس معاشرتی کلچر کو جدیدیت اور روشن خیالی کا نام دے کر مشرقی ممالک میں بھی بحیثیت ماڈرن ازم قبول کیا جانے لگا ہے۔ تاہم اس کلچر کو قانون اور قدامت پرست طبقے کی حمایت حاصل نہ ہو سکی تھی۔

اقوامِ متحدہ کے ہیومن رائٹس کمیشن کی رپورٹ کے مطابق ایک سو سولہ رکن ممالک اور علاقوں میں جنسی آزادی کے خلاف تعزیری قوانین موجود ہیں' جب کہ اسّی (۸۰) ممالک یا علاقے ایسے ہیں جو جنسی آزادی کو فطری انسانی حق تسلیم کرتے ہوئے قانونی طور پر تحفظ دیتے ہیں۔ لہٰذا کمیشن کی سفارشات کی حمایت میں اقوامِ متحدہ کے جنرل سیکرٹری بانکی مون نے تمام رکن ممالک کو ہدایات جاری کیں کہ وہ اپنے ملکی قانون میں سے ان تمام قوانین کو منسوخ کر دیں جو consensual sex-work in adults کے فطری انسانی حق میں مانع ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح اسقاطِ حمل' مانع حمل ادویات و آلات اور شادی سے پہلے جنسی تعلقات سے متعلقہ سرگرمیوں اور کاروبار کو بھی de-criminalize یعنی جرم قرار دیے جانے سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔

اقوامِ متحدہ کے قانونی ماہرین' سماجی دانشور' وکلاء اور طبی ماہرین اچھی طرح جانتے ہیں کہ معاشرے میں جنسی آزادی کا لازمی نتیجہ قحبہ گری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ازمنۂ قدیم

☆ایڈووکیٹ' صادق آباد

سے لے کر آج تک ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی ان سفارشات کے ساتھ ایک اور بل بھی رکن ممالک کو بھیجا ہے' جس کے مطابق قحبہ گری کو بھی legalize یعنی قانونی قرار دینے کی سفارشات پیش کی گئی ہیں اور ان سفارشات کے حق میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ قحبہ گری کو دیگر معاشی شعبہ جات کی طرح بحیثیت ایک profession کے تسلیم کر لیا جائے' تاکہ اس پیشے سے متعلقہ ''sex-workers'' اور کسٹمرز کو قانونی تحفظ حاصل ہو سکے۔ جنرل سیکرٹری بانکی مون نے ان سفارشات کی تائید میں کہا کہ نجی زندگیوں میں جنسی آزادی اور جنسی مساوات بشمول ہم جنس پرستی اور کمرشل سطح پر قحبہ گری کی سرگرمیوں کے خلاف بنائے گئے تمام قوانین ''Bad Laws'' ہیں' لہٰذا ایسے تمام قوانین جو فطری انسانی آزادی میں مزاحم ہوں' ختم کر دیے جانے چاہئیں۔

جولائی ۲۰۱۲ء میں اقوامِ متحدہ کے جنرل سیکرٹری بانکی مون کی سربراہی میں ۱۵ رکن ممالک کے سربراہوں' قانونی ماہرین اور ایڈز کنٹرول سوسائٹی پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا گیا تھا' جس میں مندرجہ بالا تمام سفارشات پیش کی گئی تھیں۔ قحبہ گری کو قانونی حیثیت دینے سے متعلق سفارشات میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ دنیا میں تیزی سے پھیلتی ہوئی ایڈز کی وبا کو کنٹرول کرنے کے لیے قحبہ گری بشمول ہم جنس پرستی میں ملوث گروہوں اور افراد کو رجسٹر کیا جائے اور انہیں HIV-Aids ٹیسٹ سے گزارا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ایسے کتنے افراد ایڈز وائرس کے حامل ہیں۔ غیر قانونی قرار دیے جانے کی وجہ سے ایسے گروہ اپنی سرگرمیاں خفیہ طور پر جاری رکھتے ہیں اور قانون کی زد میں آنے کے خوف سے اپنے آپ کو مطلوبہ میڈیکل ٹیسٹ سے گزارنے پر آمادہ نہیں ہو پاتے۔ اس طرح خود ''ایڈز کیریئر'' کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ایڈز کے جراثیم/وائرس آگے منتقل کرنے کا سبب بن رہا ہے۔ لہٰذا ہم جنس پرستی کے تمام گروہوں اور قحبہ گری سے متعلق تمام افراد کو قانونی طور پر رجسٹر کیا جائے اور ایڈز ٹیسٹ سے گزارا جائے۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب قحبہ گری کو ایک جائز قانونی پیشہ قرار دیا جائے۔

اس رپورٹ کی سفارشات پر تقریباً تمام ہی رکن ممالک میں بحث چھڑ گئی اور اکثریت نے ان کے خلاف رائے کا اظہار کیا اور قحبہ گری کو قانونی حیثیت دینے میں نارضامندی کا عندیہ دیا۔ امریکی ڈاکٹر جینیز کراڈز' جو کہ امریکی عورتوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والے

ایک ادارے کی ڈائریکٹر ہیں' نے کہا کہ: ''یہ تجاویز یا سفارشات نئی نہیں ہیں۔ لبرل طبقے نے ہمیشہ قحبہ گری کی جگہ ''sex-work'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ وہ اس پوری انڈسٹری کو قانونی تحفظ دلانا چاہتے ہیں تاکہ اس کو باضابطہ بنا کر ایک معزز پیشے اور عورتوں کے لیے معاشی کفالت کے ایک ''جائز آپشن'' کے طور پر پیش کر سکیں' لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہر اس کیس میں اور ہر اس مثال میں جہاں قحبہ گری کو قانونی قرار دیا گیا ہے' وہاں (قحبہ گری کے) غیر قانونی کاروبار کو اور زیادہ فروغ ملا ہے۔ جرمنی' ایمسٹرڈیم اور بہت سی جگہوں پر ایسا ہی ہوا ہے۔ یہاں تک کہ طوائفوں کو رجسٹرڈ کرنے والے محکمے کا عملہ اور ذمہ داران بھی ان کے جنسی استحصال میں ملوث پائے گئے۔ انہوں نے کہا کہ قحبہ گری کو ایڈز کے ساتھ جوڑنا ایک cop-out (بہانہ کر کے جان چھڑانا) ہے۔ قحبہ گری ایک منفی رویہ ہے اور ایک منفی رویے کو تبدیل کرنے یا ختم کروانے کی جو ذمہ داری حقوقِ انسانی کی تنظیم پر عائد ہوتی ہے وہ اپنی اس ذمہ داری سے اس لیے جان چھڑانا چاہتے ہیں کہ وہ قحبہ گری کے غیر انسانی رویے کے خاتمے میں ناکام ہو چکے ہیں اور اس رویے کو جوں کا توں قبول کر لینا چاہتے ہیں۔ مزید برآں کمیشن نے اپنی سفارشات کے ساتھ ایڈز کے حامل افراد (مردوں اور عورتوں) کی بحالی' ان کے لیے متبادل ذرائع آمدن' علاج اور قحبہ گری کی سرگرمیوں سے روکنے کے قانون کی وضاحت بھی نہیں کی ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ قحبہ گری میں ملوث افراد جن کا واحد ذریعہ معاش' جسم فروشی ہی ہو اور وہ مختلف معاشروں میں ہزاروں یہاں تک کہ بعض ترقی پذیر ممالک میں لاکھوں کی تعداد میں ہوں' ان کو فاقوں کے خطرے سے دوچار کر دیا جائے اور ایڈز کے پھیلاؤ سے روکنے کے لیے انہیں کسی ایک جگہ پر محدود کر کے زیادہ دیر رکھا جائے۔ جبکہ ایڈز کے علاج کے لیے ایک کثیر رقم درکار ہوتی ہے اور اس حوالے سے نہ تو ایڈز کے علاج کے لیے طبی ادارے قائم کیے گئے ہیں' نہ ہی WHO نے ایسا کوئی فنڈ قائم کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قحبہ گری کو legalize کرنے کا یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہوگا۔

امریکی تجزیہ نگاروں' دانشوروں اور سماجی تنظیموں کے سربراہان نے ان سفارشات پر اپنی آراء کا اظہار کیا۔ ایک امریکی تبصرہ نگار نے لکھا کہ: (ترجمہ) ''قحبہ گری ایک قدیم ترین پیشہ ہونے کے باوجود لوگوں میں معیوب ہی سمجھا جاتا ہے۔ ماسوائے لبرلز کے' لوگوں کی ایک

کثیر تعداد ان سفارشات کی مخالفت کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ قحبہ گری کو sex-work کا نام دینے پر بھی لوگوں نے شدید احتجاج کیا ہے۔''

فرانس میں بھی اس معاملے پر ایک بحث چھڑ چکی ہے اور لوگوں کی طرف سے یہ مطالبہ سامنے آیا ہے کہ قحبہ گری کے دھندے میں گاہکوں کو دو ہزار ڈالر جرمانہ کیا جانا چاہیے۔ تاہم وہاں کی خواتین اور ویمن رائٹس کی علمبرداروں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ قحبہ گری کو قانونی تحفظ دیے جانے کے ساتھ ساتھ اس پیشے سے منسلک عورتوں کو جنسی استحصال' تشدد اور جبر سے بچاؤ کے لیے بھی قوانین وضع کیے جائیں۔

۲۰۱۳ء میں جرمنی میں ۵۰۰ قحبہ گر عورتوں نے ان سفارشات کے خلاف مظاہرہ کیا جس میں انہوں نے جو پلے کارڈز اٹھا رکھے تھے ان پر یہ مطالبہ درج تھا:

''Save us from our saviors'' (ہمیں ہمارے بچانے والوں سے بچاؤ!)

اس طرح انہوں نے بھی ان سفارشات کی مخالفت کی۔ مَردوں کے ایک گروہ نے فرانس حکومت کو خط ارسال کیا جس میں انہوں نے لکھا:

''Hand off our whores'' (ہماری داشتاؤں سے حکومت ہاتھ اٹھا لے۔)

فرانس میں عورتوں کے حقوق کی تنظیم "Coalition against Trafficking in Women" نے زیادہ مؤثر الفاظ میں ان سفارشات کی مخالفت کی اور لکھا کہ:

> ''قحبہ گری کثیر گروہی لوگوں کا وہ منفی رویہ ہے جو عورتوں کے حقوق کے خلاف ہے اور معاشرے کے لیے خطرناک رجحان ہے۔ یہ رویہ عورتوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ مَردوں کی خودغرضانہ اور استحصال پر مبنی خواہشات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں..... قحبہ گری اور انسانی بازارکاری (انسانی تجارت' جنسی غلامی' جبری مزدوری) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لحاظ سے consensual sex-work (زنا بالرضا) یا sex-workers کی اصطلاح غلط طور پر متعین کی گئی ہے۔ یہ تمام عورتیں دراصل victims (شکار) ہیں۔''

امریکہ میں جارج ڈبلیو بش کی حکومت سے اب تک یہ ایک متنازعہ مسئلہ رہا ہے۔ ایک بار امریکی حکومت نے عالمی تنظیموں سے مطالبہ کیا تھا کہ ایچ آئی وی ایڈز کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے جو فنڈز حاصل کیے جاتے ہیں' ان وسائل کو قحبہ گری کی ترقی' حمایت' پھیلاؤ اور قانونی بنانے پر خرچ نہ کیا جائے۔

اکتوبر ۲۰۱۳ء میں بھی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) نے اس مطالبے کو دہرایا اور لکھا کہ ''امریکی حکومت قحبہ گری اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں کے خلاف ہے جو کہ غیر انسانی ہیں اور معاشرے کے لیے نقصان دہ ہیں۔''

کمبوڈیا کی منسٹری آف پلاننگ کے مطابق وہاں اسّی ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک عورتیں اور بچے قحبہ گری کے دھندے میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ انڈیا میں پانچ سال پہلے کے اعداد و شمار کے مطابق یہ تعداد تین لاکھ بتائی جاتی ہے۔ اسی طرح انڈونیشیا' ملائیشیا' بنگلہ دیش' سری لنکا' ساؤتھ افریقہ' فرانس وغیرہ میں بھی یہ تعداد ایک لاکھ (فی ریاست) یا اس سے زیادہ ہی پائی گئی ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کے لیے اتنی بڑی تعداد میں انسانوں کی بازار کاری' تجارت' جنسی غلامی اور جبری مزدوری ایک سوالیہ نشان ہے۔ کیا ہر ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملک میں جنسی غلاموں کی ایسی منڈیوں کی موجودگی' حقوقِ انسانی کی خلاف ورزیوں کی بدترین صورت نہیں ہے؟ جنسی آزادی کے حق میں یو این او کی یہ سفارشات درحقیقت اس بات کا اعتراف ہیں کہ حقوقِ انسانی کی تنظیم نے اس بدصورت اور بدترین صورتحال کو جوں کا توں قبول کر لیا ہے اور پوری دنیا میں پھیلے ہوئے قحبہ گری کے منظّم ترین دھندے کو ختم کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔

جرمنی نے ۲۰۰۲ء میں قحبہ گری کو قانونی حیثیت دی اور دسمبر ۲۰۱۳ء میں کینیڈا کی سپریم کورٹ نے ملک میں موجود قحبہ گری کے خلاف بنائے گئے قوانین کو منسوخ کر دیا تھا۔ تھائی لینڈ میں یہ کاروبار کھلے عام جاری ہے' جبکہ انہوں نے بہت پہلے اس کاروبار کو غیر قانونی قرار دے دیا تھا۔ سویڈن میں ۱۹۹۹ء میں اس کاروبار کے گاہکوں کے خلاف قانون بنایا گیا تھا اور ''کسٹمرز'' کے خلاف قانونی کارروائی اور جرمانے کیے جاتے ہیں۔ ناروے اور آئرلینڈ نے بھی بعد میں اسی قانون کو اپنایا تھا۔ عورتوں کے حقوق کی تنظیم Coalition against Trafficking in Women کی بانی اور مصنفہ کیتھ لین بیری نے ''حقوقِ انسانی کی عالمی تنظیم سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک ایسا بین الاقوامی معاہدہ طے کرے جس کے تحت اس کاروبار کے چلانے والے دلالوں اور ایجنٹوں کی گرفتاری' قید اور جرمانے کا قانون بنایا اور نافذ کیا جائے۔ انہوں نے اس موضوع پر کتابیں بھی لکھیں' جن میں ایک کتاب بعنوان "Female

Sexual Slavery" بہت مشہور ہوئی۔

پاکستان میں ۲۰۰۶ء میں اقوامِ متحدہ کی طرف سے یہ سفارشات بھیجی گئی تھیں' جن کی رو سے یہاں کے قانون میں زنا کے خلاف تعزیری قانون یعنی حدود آرڈیننس میں ترمیم کروایا جانا مقصود تھا۔ اس وقت اگرچہ پاکستانی وزارت خارجہ نے ان سفارشات کے حق میں یا مخالفت میں کوئی جواب نہیں دیا تھا' لیکن حدود آرڈیننس کو میڈیا ٹرائل کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ جیو نیوز چینل نے اس حوالے سے ''ذرا سوچیے'' کے عنوان سے ایک ٹاک شو شروع کروایا تھا جس میں مباحثے کے لیے علماء' این جی اوز کے نمائندوں' اسکالرز' سماجی دانشوران اور قانونی ماہرین نے بحث میں حصہ لیا تھا۔ اس بحث کے ذریعے حدود قوانین کی اصل اہمیت کو اجاگر کرنے کی بجائے نام نہاد دانشوروں اور این جی اوز کے نمائندوں نے اس تعزیری قانون کو متنازعہ بنا دیا تھا۔

اس میڈیا ٹرائل میں اس سوال کو بھی بڑے شد و مد سے اٹھایا گیا تھا کہ حدود قوانین میں ''زنا بالرضا'' اور ''زنا بالجبر'' میں فرق کیوں نہیں رکھا گیا ہے؟ اور دونوں صورتوں کو قابل تعزیر کیوں ٹھہرایا گیا ہے؟ جبکہ دونوں صورتوں کی تعریف اور تفصیلات علیحدہ علیحدہ طور پر حدود آرڈیننس کی دفعہ ۴ اور دفعہ ۶ میں بیان کی گئی ہیں اور دفعہ ۱۰ میں شرعی نصابِ شہادت پورا نہ ہونے کی صورت میں زنا کی سزا دس سال اور زنا بالجبر کی سزا ۲۵ سال مع ۳۰ کوڑے رکھی گئی ہے۔ حدود قوانین میں تمام سزائیں عورتوں کے علاوہ جرم کرنے والے مردوں پر بھی مساوی طور پر لاگو ہیں۔ لیکن عورتوں کے حقوق کی علمبردار تنظیموں نے متذکرہ میڈیا ٹرائل میں حصہ لے کر حدود قوانین کو امتیازی قانون ثابت کرنے کی کوششیں کیں اور عوام کو اس مغالطے میں مبتلا کیا کہ حدود قوانین عورتوں کو قید بامشقت' کوڑے اور غیر انسانی تعزیری سزاؤں سے دوچار کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں جو کہ انسانی حقوق کی صریح خلاف ورزی ہے۔

اس طرح ایک بڑے ابلاغی ادارے نے اس وقت حدود قوانین کو لگاتار موضوعِ بحث بنا کر عوام کے ذہنوں میں اس قانون کو متنازع بنا کر چھوڑا تھا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ حدود قانون کو متنازع بنانے کے لیے باقاعدہ ایک مہم چلائی گئی تھی اور اس مہم پر کروڑوں روپے خرچ کیے گئے تھے۔ روزنامہ جنگ' انقلاب' اور دی نیوز جیسے قومی اخبارات میں پورے پورے صفحے

کے اشتہارات کے علاوہ روزانہ ۱۰۸ بیانات' جیو چینل پر روزانہ ۵ سے زائد بار حدود قانون پر پروگرام' مستقل ویب سائٹس' ''ذرا سوچیے'' کے نام سے مستقل سلسلہ بحث جس کے بڑے بڑے بورڈز چوراہوں پر لگوائے گئے تھے' اس مہم کا حصہ بنائے گئے۔ تین ماہ تک یہ مہم جس شد ومد کے ساتھ چلتی رہی اور بے بہا وسائل جس طریقے سے اس مہم پر خرچ کیے گئے' ان سے ایسا لگتا تھا کہ پاکستان میں موجود ایک مخصوص طبقہ ان قوانین کو منسوخ کروا کے ہی چھوڑے گا' لیکن اسلامی نظریاتی کونسل کے اراکین نے اس پروپیگنڈے اور سرکاری دباؤ کو خاطر میں نہ لاکر حدود قوانین میں متفقہ ترامیم کا راستہ مسدود کر دیا تھا۔ تاہم قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی برائے ترقی خواتین کی چیئر پرسن مہناز رفیع کی جانب سے حدود قوانین میں ترامیم کا بل (۲۰۰۶ء) پیش کیے جانے کا بیان شائع ہوا اور اس بل کا نام ''تحفظ خواتین بل'' رکھا گیا' جسے بعد ازاں منظور کر لیا گیا۔

اگست ۲۰۰۸ء میں متذکرہ بالا متنازعہ یو این او سفارشات دوبارہ بھیجی گئیں' لیکن وزارت خارجہ نے انہیں مسترد (reject) کر دیا تھا۔ ۲۰۱۲ء میں بھی پاکستانی وزارت خارجہ نے انہیں نوٹ کیا' لیکن پھر مسترد کر دیا تھا۔ امسال یعنی اپریل ۲۰۱۸ء میں بھی یہ سفارشات پھر بھیجی گئی ہیں جنہیں ''بعد میں غور کرنے کے لیے نوٹ کر لیا گیا'' ہے۔ تاہم وزارتِ خارجہ نے تا حال ان پر کوئی ایکشن نہیں لیا ہے۔

ہمارے لیے ''لمحۂ فکریہ'' یہ ہے کہ ''زنا'' خواہ بالرضا ہی کیوں نہ ہو' اس کو قانون کی رو سے مستثنیٰ قرار دیا جانے اور de-criminalize کر دینے کا لازمی نتیجہ معاشرے میں جنسی بے راہ روی اور اکثر صورتوں میں فحبہ گری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ معاشرے جو ہماری نظر میں مادر پدر آزاد معاشرے ہیں وہاں بھی جنسی آزادی کے ان نتائج کو محسوس کر لیا گیا ہے اور فطری انسانی حقوق کا نام دے کر جس منفی رویّے کو ''حصولِ مسرّت کی آزادی'' کہا جا رہا ہے' اسے مغربی و یورپی دانشور' حقوقِ انسانی کی علمبردار خواتین اور مفکّرین آج جنسی غلامی کا نام دے رہے ہیں اور وہ تمام عورتیں جو اس منفی رویے میں جبراً یا بالرضا ملوث پائی جاتی ہیں انہیں victims یعنی اس منفی رجحان کا شکار بیان کیا جا رہا ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھی قانونی اور معاشرتی طور پر زنا بالرضا کو جنسی استحصال کے قریب قریب تسلیم کیا جاتا

ہے۔ امریکہ کے سابق صدر بل کلنٹن اور مونیکا لیونسکی کے اسکینڈل (۱۹۹۸۔۲۰۰۰ء) کے منظر عام پر آنے کے بعد صدر بل کلنٹن پر الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے اپنے دفتر میں کام کرنے والی خاتون (مونیکا) کو جنسی استحصال کا شکار بنایا ہے۔ اس اسکینڈل کی وجہ سے بل کلنٹن کا سیاسی مستقبل مستقل طور پر ختم ہو گیا تھا اور پوری دنیا میں ان کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

مغربی یورپی ملکوں میں ہر سال پانچ لاکھ افراد دین اسلام کو قبول کرتے ہیں' جن میں سے ہر پانچ لاکھ میں ۴ لاکھ خواتین دین حق کی روشنی سے اپنی زندگیوں کے اندھیرے دور کرتی ہیں۔ ایک ریسرچ کے مطابق ان خواتین میں دین اسلام کے قبول کرنے کی جو وجوہات معلوم ہوئی ہیں ان میں سب سے اہم وجہ جو ان خواتین نے بیان کی وہ یہ ہے کہ محبت' دوستی' صنفی تعلقات' اور جنسی آزادی کے نام پر اب وہ مزید جنسی استحصال اور جنسی غلامی کا شکار نہیں بننا چاہتی ہیں' جبکہ ان کے معاشرے میں مردوں کو ایسے منفی اور خود غرضانہ رویے سے روکنے والی کوئی اخلاقی و معاشرتی قوت موجود نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے حقوقِ نسواں کی تنظیموں اور قانون سازی سے بھی بڑھ کر جو قوت زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتی ہے وہ معاشرے کی اخلاقی قوت' اسلامی اقدار و روایات اور مضبوط فیملی سسٹم ہی ہو سکتا ہے۔ بجائے اس کے کہ قانون و انتظام اور ریاست کی تمام طاقتیں مل کر اس معاشرتی اخلاقی قوت کو بڑھنے اور پھلنے پھولنے میں معاون بنیں' الٹا ان قوانین اور رجحانات کو ترقی دینے کی کوششیں کی جا رہی ہیں' جن کے اثرات و نتائج کسی بھی معاشرے اور بالخصوص اسلامی معاشرے کے لیے تباہ کن ہو سکتے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے معاشرتی رویے بھی ایسی اخلاقی قوت محرکہ کی حوصلہ شکنی کر دینے والے ہیں ع ''تھا جو' ناخوب وہی خوب ہوا''..... کے مصداق پیشہ ور خواتین جو کبھی معاشرے کی نگاہ میں رنڈیاں' طوائف' سوسائٹی گرلز اور فاحشہ کہلاتی تھیں' آج ماڈلز' اسٹارز' اینکر پرسن' celebrities کے نام سے عزت و شہرت کما رہی ہیں اور سفید پوش گھرانوں کی عزت دار عورتیں یہاں تک کہ طبقۂ اشرافیہ کی معزز خواتین بھی ترغیب و تحریص کا شکار ہو کر ان کے راستے پر چل پڑی ہیں۔ اس پر مستزاد غربت اور لبرل ازم بھی ایسی ترغیب و تحریص کے لیے قوتِ محرکہ کا کام کر رہی ہے۔

''بالرضا'' کا لفظ لگا کر زنا جیسے مکروہ فعل کی شرمناکی کو کسی طور بھی کم نہیں کیا جا سکتا' جبکہ

اکثر صورتوں میں ایسی رضا کے پیچھے کسی نہ کسی قسم کا جبر واستحصال کارفرما ہوتا ہے۔ ایسی ہی ''رضا بالجبر'' ان تمام معاملات میں بھی کارفرما ہوتی ہے جو زنا کی طرح معاشرے کے لیے مضرت رساں ہیں یا زنا سے بھی بڑھ کر دور رس مضر اثرات مرتب کرنے والے ہیں۔ مثلاً رشوت ستانی، جوا، کرپشن، اختیارات کا ناجائز استعمال، سودی کاروبار اور اس سے متعلقہ تمام سرگرمیاں، وغیرہ۔ ان تمام قوانین واخلاقی برائیوں یا جرائم میں بھی فریقین معاملہ کے مابین رضامندی پائی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے تو رشوت، سودخوری اور جوا بھی جائز قرار دیا جائے گا۔ غیر مسلم معاشروں میں رشوت اور قمار بازی (جوا، سٹہ) قانونی طور پر جرم ہے، جبکہ اس معاملے میں فریقین یہ جرم باہم رضامندی سے کرتے ہیں۔ ایک اسلامی معاشرے میں سود، جو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے مترادف ہے اور اس کا ہلکا ترین درجہ بھی ماں کے ساتھ زنا کے برابر قرار دیا گیا ہے، کیا صرف اس لیے اس کو جائز قرار دے دیا جائے کہ یہ معاملہ فریقین کی باہمی رضامند سے طے پاتا ہے؟؟؟

❁❁❁

تصحیح: محترمہ بینا حسین خالدی کے سابقہ مضمون بعنوان ''رائی بھر ایمان'' (شائع شدہ جولائی ۲۰۱۸ء) میں سہواً یہ درج ہو گیا تھا کہ ''ایک فاحشہ کا دل جیتنے کے لیے قوم کے سرداروں نے حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا''۔ جبکہ یہ معاملہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا کہ وقت کے بادشاہ نے ان کا سر قلم کر کے اپنی محبوبہ کو پیش کر دیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تو اللہ کی طرف سے بھیجی گئی نشانی ''اونٹنی'' کو ہلاک کرنے کی پاداش میں آپؑ کے سامنے نیست و نابود کر دی گئی تھی اور اس کے بعد آپؑ اپنے اہلِ ایمان ساتھیوں کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ (ادارہ)

علامہ محمد اسدؒ (۱۹۰۰-۱۹۹۲ء)

نامور مصنّف، ممتاز عالمِ دین، مفسّرِ قرآن اور مبلّغ کے قبولِ اسلام کا واقعہ

مرتّب: ڈاکٹر جوہر قدوسی ☆

نامور مصنّف، ممتاز عالم دین اور مبلّغ و مصلح محمد اسدؒ (سابقہ Leopold Weiss) ۱۹۲۶ء میں مشرّف بااسلام ہوئے۔ تقریباً چھ برس تک مدینہ منورہ اور سعودی عرب کے دیگر شہروں میں مقیم رہے اور اس دوران میں سلطان ابن سعود (عبدالعزیز) کا خصوصی تقرب حاصل کیا۔ پھر برصغیر میں آ گئے اور سالہا سال شاعر اسلام علامہ اقبال کے قریب رہنے کا شرف حاصل کیا۔ کچھ عرصہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ہمراہ دارالاسلام (پٹھان کوٹ) میں گزارا۔ قیامِ پاکستان کے بعد انہیں حکومت کی زیرسرپرستی ایک جدید محکمہ ''اسلامی تعمیر جدید'' (Department of Islamic Reconstruction) کی تنظیم ونگرانی پر مامور کیا گیا۔ ازاں بعد ان کی خدمات محکمہ خارجہ کو منتقل کر دی گئیں اور اُن کا تقرر وزارتِ خارجہ میں شعبہ مشرق وسطیٰ کے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے ہوا۔ آخر میں وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے وفد اور اس کی مہم سے متعلق بھی رہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو دینی تصنیف وتالیف کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ موصوف بہت سی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ ''اسلام ایٹ دی کراس روڈز'' اور ''اے روڈ ٹو مکہ'' ان کی معروف تصانیف ہیں۔ احادیث کے مختلف مجموعوں کو انگریزی میں منتقل کرنے کا کام انہوں نے آخری عمر میں کیا۔ ذیل کا مضمون ان کی خودنوشت ''اے روڈ ٹو مکہ'' کی تلخیص پر مشتمل ہے۔

یہودی ربی خاندان میں پیدا ہوا

میں ۱۹۰۰ء میں پولینڈ کے ایک یہودی ربی خاندان میں پیدا ہوا۔ میرا بچپن شہر لوو (Lowow) میں گزرا جو اس وقت آسٹریا کے قبضے میں تھا۔ میرے دادا ربی (یہودی مذہبی

☆ مدیر ماہنامہ ''الحیات'' سری نگر (مقبوضہ کشمیر)

عالم) تھے اور ان کی زبردست خواہش تھی کہ میرے والد بھی ربی بنیں، مگر ایسا نہ ہو سکا اور وہ قانون کی تعلیم حاصل کر کے وکیل بن گئے۔ میرے والد مجھے ریاضی اور طبیعیات پڑھا کر سائنس دان بنانا چاہتے تھے مگر میں ان کی توقعات پر پورا نہ اترا، مجھے سائنسی مضامین کی بجائے عمرانیات سے دلچسپی تھی۔ خاندانی روایات کے مطابق میں نے بچپن میں عبرانی اور آرامی زبانیں سیکھیں اور تلمود، بائبل اور فارغوم جیسی مذہبی کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ اس زمانے میں میں مختلف مذہبی کتابوں کے فرق پر اعتماد کے ساتھ بحث کر سکتا تھا۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو میں سکول کا طالب علم تھا۔ میں اسکول سے بھاگا، اور جعلی نام سے فوج میں بھرتی ہو گیا، مگر میرے والد کی شکایت پر کم عمری کی وجہ سے مجھے واپس بھیج دیا گیا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد دو سال تک میں ویانا یونیورسٹی میں فلسفہ اور آرٹ کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔

سارا یورپ زبردست روحانی بے قراری میں مبتلا

جوں جوں میرے شعور کی آنکھیں کھلتی گئیں، میں نے شدت سے محسوس کرنا شروع کیا کہ سارا یورپ زبردست روحانی بے قراری میں مبتلا ہے۔ مذہبی اور روحانی قدریں تحلیل ہو رہی تھیں اور زر پرستی اور مادیت کے جھنڈے بڑی تیزی سے گڑ رہے تھے۔ خطرہ اور خوف ہر فردِ بشر پر مستولی تھا۔ خصوصاً نوجوان نسل گھور اندھیروں میں سرگرم عمل تھی اور ان سوالات کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا جنہوں نے نوجوان ذہنوں کو سخت پریشان کر رکھا تھا۔ طول طویل جنگ نے رہی سہی کسر نکال دی تھی اور معاشی پریشانیوں اور سماجی افراتفری نے یورپ کے انسان کو ایک ایسے خلا میں پھینک دیا تھا، جہاں بے یقینی، نفسانفسی، خودغرضی، دنیا پرستی اور عارضی لذت اندوزی کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں اکثر سوچتا کہ کیا انسان کی احتیاج محض روٹی ہے اور کیا زندگی کا مقصد صرف مادی خواہشات کو پورا کرنا ہے؟ میں دیکھ رہا تھا کہ یورپ صرف مادی ترقی کے بل پر روحانی خلاء کو پُر کرنا چاہتا ہے، حالانکہ یہ طریق علاج اصل بیماری، یعنی بے اطمینانی اور بے قراری کو مزید بڑھانے کا سبب بن رہا تھا۔ میں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا مگر میرے دل میں یہ خیال کبھی نہ آیا اور شاید میری طرح کوئی بھی اس نہج پر نہیں سوچتا تھا کہ یورپ کے ثقافتی تجربات کا سہارا ترک کیے بغیر ان سوالات کا جواب پالینا ممکن نہ تھا۔ یورپ ہی ہماری فکر کی ابتدا تھا اور وہی انتہا۔

میری بے اطمینانی میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ میرے لیے تعلیم جاری رکھنا مشکل ہو گیا۔ میں نے یونیورسٹی کو خیر باد کہنے اور صحافت کے میدان میں قسمت آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس مقصد کے لیے ۱۹۲۰ء کی گرمیوں میں ویانا چھوڑ کر پراگ چلا آیا۔

بے روزگاری اور فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑا

پراگ میں مجھے بہت دنوں تک بے روزگاری اور فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑا۔ اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے لیے سخت تگ و دو کرنی پڑی۔ تب کہیں جا کر میں ایک خبر رساں ایجنسی ''یونائیٹڈ ٹیلیگراف نیوز ایجنسی'' میں پہلے ٹیلی فونسٹ اور پھر رپورٹر بن گیا۔ اس طرح مسلسل جِدّوجُہد کے بعد صحافتی دنیا نے مجھے آخر قبول کر ہی لیا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ میرا سکون ختم ہوتا گیا۔ مجھے اپنی زندگی کا صحیح مقصد معلوم نہ تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ سچی ذہنی مسرت کیسے اور کہاں سے حاصل کروں۔ میرے بیشتر نوجوان دوستوں کی یہی کیفیت تھی۔ ان میں سے کوئی بھی بدقسمت یا مصیبت زدہ نہ تھا' مگر حقیقی اطمینان اور سکون سے سبھی محروم تھے۔ بار بار احساس ہوتا تھا کہ ہم کسی اندھے جنگل میں محوِ سفر ہیں جہاں درندوں کا خوف بھی لاحق ہے اور منزل کا سراغ بھی نامعلوم۔

میرے ایک ماموں ڈوریاں بیت المقدس کے ایک ہسپتال میں ذمہ دار آفیسر تھے۔ ۱۹۲۲ء کے موسم بہار میں انہوں نے خط لکھ کر مجھے اپنے پاس بلا بھیجا۔ میں نے یہ دعوت فوراً قبول کر لی اور سمندری جہاز کے ذریعے ایک دن مصر کی بندرگاہ اسکندریہ پر جا اترا۔ اسکندریہ سے بیت المقدس تک ریل کا سفر تھا۔

رات بھر ایک لمحہ کے لیے بھی نہ سو سکا

ہماری ٹرین صحرائے سینا سے گزر رہی تھی۔ میں بے حد تھکا ہوا تھا مگر ٹرین کی لڑکھڑاہٹ اور بے ہنگم شور کی وجہ سے میں رات بھر ایک لمحہ کے لیے بھی نہ سو سکا۔ میرے سامنے والی سیٹ پر ایک بدّو بڑی سی عبا میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔ اس کے سر کے پاس پڑی ہوئی تلوار اس کے گھٹنوں تک پہنچ رہی تھی اور مَفلَر کے باوجود وہ سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔

صبح ہوئی اور ٹرین ایک جھٹکے سے ایک چھوٹے سے سٹیشن پر رکی۔ بدو نے اپنا مفلر کھولا تو پہلی بار مجھے اس کا چہرہ نظر آیا۔ اس کا رنگ سانولا اور چہرہ عقابی تھا۔ اس نے خوانچہ فروش سے ایک روٹی خریدی۔ اپنی جگہ بیٹھ کر اس روٹی کے دو ٹکڑے کیے اور ایک مجھے دینے لگا۔ میرے

تردد اور عجب پر وہ مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے پر اسی طرح موزوں تھی جس طرح عزم اور قوتِ ارادی۔ اس نے ایک لفظ کہا جس کا مفہوم اس وقت تو میں نہیں سمجھا تھا مگر اب سمجھتا ہوں: ''تفضّل'' یعنی نوش فرمائیے۔ میں نے وہ ٹکڑا لے لیا اور سر کے اشارے سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ یورپین لباس میں ملبوس ترکی ٹوپی والے ایک مسافر نے رضا کارانہ طور پر ترجمانی کے فرائض انجام دیے اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھے بتایا کہ ''یہ کہتے ہیں کہ آپ بھی مسافر ہیں اور میں بھی اور ہم دونوں کا راستہ ایک ہے۔''

جب میں اس معمولی واقعہ پر غور کرتا ہوں تو میرا دل کہتا ہے کہ عربی اخلاق سے میری وابستگی اور محبت کی بنیاد یہیں سے پڑی تھی۔ اس بدو کے رویہ میں' جس نے اجنبیت کی تمام دیواروں کے باوجود اپنے رفیق سفر کو اپنی آدھی روٹی دے دی تھی' انسانیت کی ایک ایسی تصویر اور جھلک تھی جو ہر تصنّع اور تکلّف سے پاک تھی۔ گاڑی غزہ پہنچی تو میرے بدو ساتھی نے اپنا سامان سمیٹا' ایک باوقار مسکراہٹ کے ساتھ سر کے اشارے سے مجھے سلام کیا اور باہر چلا گیا۔ باہر پلیٹ فارم پر اس کے استقبال کے لیے دو بدو کھڑے تھے۔ انہوں نے اس سے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا۔ پھر سب نے ایک دوسرے کے رخسار کا بوسہ لیا۔ میں نے خلوص اور محبت کی یہ فضا دیکھی تو میرے اندر ان کی زندگی کو سمجھنے کی شدید خواہش پیدا ہو گئی۔

خاص قسم کی جذباتی لطافت اور بلند تر حسّی شعور

بیت المقدس میں میں نے اپنے روبرو زندگی کا ایک ایسا مفہوم پایا جو میرے لیے یکسر نیا تھا' روحانی خراشوں اور اذیتوں سے ناآشنا۔ وہ اذیتیں' جنہوں نے خوف' حرص اور گھٹن کا بھوت بن کر مغربی زندگی کو بے حد بھدا' بے ہنگم اور کریہہ النظر بنا دیا تھا۔ میں عربوں میں وہ چیز پانے لگا جس کی غیر شعوری طور پر مجھے ایک عرصہ سے تلاش تھی' جس کو ہم زندگی کے تمام مسائل میں ایک خاص قسم کی جذباتی لطافت اور بلند تر حسی شعور سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہاں اپنے ماموں کے گھر کے عین سامنے ایک کھلے صحن میں عربوں کو دن میں کئی مرتبہ نماز پڑھتے دیکھتا تھا۔ ان کی باوقار حرکات وسکنات اور غیر معمولی ڈسپلن نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔ اسلامی طریق عبادت کے بارے میں ان کے امام سے میری جو گفتگو ہوئی سچی بات یہ ہے کہ اس نے میرے لیے اسلام کا پہلا دروازہ کھول دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسلام کبھی میرا دین بھی بن سکتا ہے۔

۱۹۲۲ء کے اواخر کی بات ہے، جرمنی کے ایک اخبار ''فرانکفرٹر'' نے مجھے مشرقِ وسطیٰ کے لیے اپنا گشتی نمائندہ مقرر کر دیا اور یوں مجھے دیگر ممالک کی سیاحت کا موقع ہاتھ آ گیا اور اسی فرض نے مجھے عربوں کی زندگی اور مسائل کو زیادہ گہرائی سے دیکھنے اور پرکھنے پر آمادہ کیا اور میں نے غیر جانبداری سے محسوس کیا کہ یورپ کی ساری طاقتیں یکساں طور پر مسلمانوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا رہی ہیں اور انہیں مذہبی، تہذیبی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے مفلوج کر کے ان کی عزت اور خودداری کو مفلوج کرنے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ خصوصاً فلسطین میں عربوں اور یہودیوں کے معاملے میں انگریزوں کی پالیسی سراسر غیر انسانی اور بین الاقوامی بددیانتی پر مبنی ہے۔

ایمان اور غیرت کا جوش

۱۹۲۳ء میں میں مصر آ گیا۔ گزارے کی خاطر مجھے ایک جز وقتی ملازمت مل گئی اور ایک قدیم محلے میں مختصر سا مکان لے کر گزر بسر کرنے لگا۔ میرے گھر کے بالکل سامنے پتلے مینار کی ایک چھوٹی سی مسجد تھی جہاں پنج وقتہ نماز کے لیے اذان ہوتی تھی۔ سفید عمامہ باندھے ہوئے ایک شخص مینار پر ''اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' کی صدا بلند کرتا۔ یہ آواز پرسوز تھی اور بارعب بھی۔ صاف احساس ہوتا تھا کہ وہ آرٹ یا فن نہیں تھا، بلکہ ایمان اور غیرت کا جوش تھا جس نے اذان میں اتنا حسن بھر دیا تھا۔ یہ بھی اندازہ ہوا کہ یہ بیت المقدس تک محدود نہیں بلکہ یہ بات ساری اسلامی دنیا میں مشترک ہے۔ یوں میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمانوں کا اندرونی اتحاد، یکسانیت اور ہم آہنگی کتنی گہری ہے اور انہیں تقسیم اور متفرق کرنے کی چیزیں کتنی مصنوعی، سطحی اور بے اثر۔ مجھے ایسا لگا کہ میں نے پہلی بار ایک ایسی سوسائٹی میں قدم رکھا ہے جس میں انسان کے درمیان رشتہ و تعلق کی بنیاد اقتصادی مصلحتوں یا رنگ و نسل پر نہیں بلکہ اس سے زیادہ گہری مضبوط اور پائیدار چیز پر تھی اور وہ زندگی کے متعلق اس مشترکہ نقطۂ نظر کا رشتہ تھا، جس نے انسانوں کے درمیان سے علیحدگی اور بے تعلقی کی دیواروں کو گرا دیا تھا۔

۱۹۲۳ء کی گرمیوں میں میں واپس بیت المقدس آیا اور وہاں سے دِمشق کا قصد کیا۔ بیت المقدس میں میری ملاقات ایک دِمشقی مدرس سے ہوئی تھی اور اس نے مجھے دِمشق آنے کی دعوت دی تھی۔ یہاں مجھے عربوں کے اندرونی سکون و اطمینان کا سراغ مل گیا۔ دراصل یہ اس معاشرت اور برتاؤ کا نتیجہ تھا جو وہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے۔ یہاں ایک دکاندار اپنے پڑوسی

دکاندار کی غیر حاضری میں جس ایثار اور دیانت کے ساتھ اس کی قائم مقامی کرتا تھا، وہ حد درجہ حیرت انگیز تھا۔ ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں ملبوس یہ لوگ وقار اور طمانیت کا پیکر تھے۔ وہ فضول باتیں نہیں کرتے تھے۔ خودداری، تواضع اور ذکاوتِ احساس ان کے خاص اوصاف تھے۔

زندگی کا نقشہ خاصا بدلا ہوا

جمعہ کے روز دِمشق میں زندگی کا نقشہ خاصا بدلا ہوا نظر آتا تھا۔ خوشی اور مسرت اور رعب و وقار کی ایک ملی جلی فضا شہر پر طاری رہتی تھی۔ اس روز مجھے یورپ کا اتوار یاد آ جاتا۔ خالی دکانیں، گھٹن اور انقباض کی اداس کن فضا میں۔ میں نے غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ یورپ میں روزمرہ کی زندگی لوگوں کے لیے ایک بھاری بوجھ بن چکی ہے جس سے وہ اتوار کو چھٹکارا حاصل کرتے اور مصنوعی طریقے سے مسرت پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ایک پرفریب بھول میں گرفتار ہیں جس کے لیے وہ ہفتے کے چھ دن منتظر رہتے ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس مسلمانوں کے لیے جمعہ کاموں سے فرار کا دن نہیں، وہ چند گھنٹوں کے لیے دکانیں کھولتے ہیں، پھر نماز پڑھتے ہیں، قہوہ خانوں میں بیٹھ کر ہلکی خوش گپیاں کرتے اور دوبارہ کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

ایک جمعہ کو میں اپنے میزبان کے ساتھ جامع اموی میں گیا۔ قیام، رکوع اور سجدوں میں یہ لوگ جس طرح خشوع و خضوع کا مظاہرہ کرتے اور اپنے امام کی اقتدا کر رہے تھے، اس سے مجھے خدا اور دین سے ان لوگوں کے قرب اور تعلق کا اندازہ ہوا۔ ان کی نماز ان کی روزمرہ زندگی سے الگ نظر نہیں آتی تھی بلکہ وہ اس کا ایک حصہ تھی۔ وہ زندگی کو بھلانے کے لیے نہیں، بلکہ اس میں خدا کی یاد شامل کرنے اور اسے زیادہ بہتر طریقے پر یاد رکھنے کے لیے پڑھی جاتی تھی۔

مسجد سے نکلتے ہوئے میں نے اپنے دوست سے کہا: کتنی حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ آپ لوگ خدا کو اس حد تک قریب سمجھتے ہیں۔ میری آرزو ہے کہ میں بھی اسی طرح سمجھ سکوں۔

''ہاں کیوں نہیں!'' میرے میزبان نے کہا ''اس کے سوا اور چارہ بھی کیا ہے، خدا خود کہتا ہے کہ وہ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

اس نئے احساس اور نئی فکری دریافت کا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ دِمشق میں میں نے اپنا بیشتر وقت اسلامی کتابوں کے مطالعے میں صرف کیا۔ میں عربی میں معمولی شد بد حاصل کر چکا تھا۔ قرآن کے جرمن اور فرانسیسی ترجموں سے بھی کام لیا اور اپنے دوست سے بھی گفتگو کرتا

رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میری نگاہوں سے ایک پردہ سا ہٹ گیا۔ میں افکار کی ایک ایسی دنیا کا مشاہدہ کررہا تھا جس سے اب تک میں مطلق ناواقف تھا۔

اسلام: رواجی اور اصطلاحی مفہوم سے زیادہ زندگی کا ایک نظام

اسلام میرے سامنے مذہب کے ایک رواجی اور اصطلاحی مفہوم سے زیادہ زندگی کا ایک نظام بن کر آیا۔ وہ مجھے لاہوتی نظام سے زیادہ شخصی اور اجتماعی سلوک کا ایک پروگرام اور لائحہ عمل معلوم ہوا جس کی بنیاد خدا کی یاد پر تھی۔ میں نے قرآن میں کسی جگہ ''چھٹکارے'' کا تصور نہیں دیکھا۔ وہاں کوئی پہلا موروثی گناہ بھی نہیں تھا جو انسان اور اس کی تقدیر کے درمیان حائل ہوگیا ہو۔ وہاں تو تھا: لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یعنی انسان جیسی کوشش کرے گا ویسا ہی پھل پائے گا۔ وہ کسی کی رہبانیت اور فطرت کشی کا بھی طالب نہ تھا' جس کے ذریعے طہارت اور تقدس کا کوئی خفیہ دروازہ کھل جاتا ہو' اس لیے کہ اس کے نزدیک طہارت اور پاکیزگی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے اور گناہ صرف انسان کی ایجابی فطرت کی ایک لغزش ہے۔ وہاں فطرت انسانی کی کوئی تقسیم نہیں ملتی' اس لیے کہ اس کے نزدیک روح اور جسم مل کر ایک صحیح اور مکمل یونٹ بناتے ہیں۔

ابتدا میں میں یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا کہ قرآن زندگی کے بعض بظاہر حقیر شعبوں کا ذکر بھی اہتمام کے ساتھ کرتا ہے' لیکن بعد میں یہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔ ظاہر ہے اگر انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے تو پھر اس کی زندگی کے کسی شعبے اور پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کو دین کے دائرہ عمل سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ قرآن ایک لمحہ کے لیے بھی یہ فراموش کرنے کے لیے تیار نہیں کہ دنیا بہرحال انسان کی ترقی کے سفر کا ایک مرحلہ ہے اور اس سفر کی آخری منزل روحانی ترقی ہے۔ مادی خوشحالی قرآن کے نزدیک مستحسن اور مستحب ہے مگر بذاتِ خود مقصود نہیں' اس لیے انسان کی نفسانی خواہشات کو ان کی اہمیت و ضرورت کے باوجود اخلاقی حس کے مقابلے میں دبایا جاتا ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ اخلاقی حس صرف خدا اور بندے کے مابین ہی محدود نہیں رہنی چاہیے' بلکہ اس کا دائرہ انسانوں کے باہمی تعلقات تک وسیع ہونا چاہیے۔ اس کا مقصد صرف فرد کی روحانی تکمیل نہ ہو بلکہ سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کرنا بھی اس کا مقصود ہے جو دوسرے انسانوں کی روحانی ترقی اور نشوونما کے لیے سازگار ماحول اور فضا پیدا کریں جن کے سائے میں وہ مکمل اور پرسکون زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں۔ میں نے صاف محسوس کیا کہ روحانی مسائل کے سلسلے میں

قرآن کا طریقہ عہد قدیم کے طریقے سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔ یہاں کسی خاص قوم کی طرفداری نہیں' مادی مسائل میں اس کا طریقہ عہد جدید کے برعکس بہت زیادہ ایجابی ہے۔ روح اور جسم اس نظریہ میں انسانی زندگی کے دو ایسے رخ ہیں جو یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔

میں نے اپنے دل میں سوال کیا: کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ تعلیمات اس قلبی طمانیت (Emotional Security) کا باعث ہوں جن کا میں نے عربوں میں رہ کر مشاہدہ کیا ہے؟

عیسائیت: انسانوں کی رہنمائی کرنے سے یکسر قاصر

۱۹۲۳ء کے موسم خزاں میں میں شام سے یورپ روانہ ہوگیا۔ یورپ کے مناظر اب مجھے اجنبی لگ رہے تھے۔ اب مجھے یہاں کے لوگ بہت مکروہ اور حقیر دکھائی دیتے تھے۔ ان کی حرکات بہت بھدی اور پھوہڑ نظر آتی تھیں' جن میں ان کے ارادہ وشعور کا کوئی دخل نہ تھا۔ اگرچہ وہ اس امر کی نمائش کرتے تھے کہ وہ ہر کام پورے شعور کے ساتھ کرتے ہیں' مگر درحقیقت وہ کسی قسم کے مقصد اور نصب العین کے بغیر برابر اندھے راستوں پر چلے جا رہے تھے۔ اس مرتبہ میں نے پہلی بار عیسائیت کا مطالعہ کیا اور اسے سمجھنے کی کوشش کی' مگر اس اعتبار سے بہت جلد مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کہ عیسائیت جسم و روح اور عقیدہ و عمل کے درمیان افسوسناک تفریق کی حامل ہے اور گوناگوں مسائل سے لبریز اس زمانے کے انسانوں کی رہنمائی کرنے سے یکسر قاصر۔

۱۹۲۴ء کے موسم بہار میں میں ''فرانکفرٹر'' کی طرف سے دوبارہ مصر آیا۔ اس وقت تک صحافی دنیا میں میرا ایک مقام بن چکا تھا۔ اس لیے مجھے گرانقدر مشاہرے کی پیشکش کی گئی تھی۔ یہاں پہنچا ہی تھا کہ رمضان کا چاند طلوع ہوا اور مسلسل ایک ماہ تک سارا ماحول خاص قسم کی پاکیزگی اور تقدس میں ڈوبا رہا۔ نماز کے بعد میں روزوں کی حکمت پر جتنا غور کرتا رہا' اتنا ہی اسلام کی عظمت کا قائل ہوتا گیا۔ اس ضمن میں الازہر کے نوجوان اور متبحر عالم دین شیخ مصطفیٰ المراغی سے بھی تفصیلاً گفتگو ہوئی۔ انہوں نے بڑی صاف بیانی سے بتایا کہ موجودہ مسلمانوں نے اعلیٰ اسلامی تعلیمات اور اصولوں سے روگردانی کر لی ہے اور اس سے بڑی غلطی کوئی نہ ہوگی کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغام کی قوتوں اور وسیع امکانات کو موجودہ مسلمانوں کی زندگی اور طرزِ فکر کے پیمانہ سے جانچا جائے' بالکل اسی طرح جس طرح یہ غلطی ہوگی کہ ہم عیسائیوں کے خلافِ محبت اور خلافِ رواداری کاموں کو دیکھ کر مسیح علیہ السلام کے پیغامِ محبت کو قصوروار قرار دینے

لگیں۔ شیخ مراغی نے لگی لپٹی رکھے بغیر بتایا کہ علمائے اسلام کی اکثریت لکیر کی فقیر بن چکی ہے اور ان میں تجدید واحیائے دین کا جذبہ دم توڑ چکا ہے اور یہی امت کے زوال کا بنیادی سبب ہے۔

اسلام میں بحیثیتِ دین اور ضابطۂ حیات کوئی نقص نہیں

قرآن کا جتنا کچھ میں نے مطالعہ کیا تھا' عربوں کی معاشرتی زندگی کا جو مجھے مشاہدہ ہوا تھا اور اب شیخ المراغی سے جو کھل کر گفتگو ہوئی تھی اس نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا کہ اہلِ یورپ کے دماغ میں اسلام کی جو تصویر ہے وہ بالکل مسخ شدہ اور بگڑی ہوئی ہے۔ اب میں اس امر پر بالکل مطمئن ہو چکا تھا کہ اسلام میں بحیثیت دین اور ضابطہ حیات کوئی نقص نہیں اور مسلمانوں کا زوال اسلام کی خامی کی بنا پر نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات پر ان کے عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔

اس اطمینان کے بعد میں نے عربی زبان کی تعلیم باقاعدہ حاصل کرنا شروع کر دی۔ مجھ میں یہ احساس قوت پکڑنے لگا کہ یورپ کے لیے اسلام کی مکمل تصویر اخذ کرنا ہرگز ناممکن نہیں۔ اپنی اس رائے کا اظہار میں نے چند ماہ پیشتر اپنی ایک کتاب میں بھی کیا تھا۔ اسلامی دنیا یورپی تہذیب میں اس حد تک خلط ملط نہیں ہوئی تھی کہ اس کو سمجھنا دشوار ہو جائے۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے ماضی کی فکری عادات سے علیحدہ ہو سکے اور یہ تسلیم کر لے کہ محض اسی کا طرزِ فکر درست نہیں تو عالم اسلام اس کے لیے اسی وقت قابل فہم ہو سکتا ہے۔

۱۹۲۵ء کے اواخر کی بات ہے' میں ہرات سے کابل جا رہا تھا۔ وسط افغانستان کی برف پوش وادیوں نے قلب ونظر کو مسحور کر رکھا تھا۔ ایسے میں میرا گھوڑا لنگڑانے لگا۔ اس کی نعل ڈھیلی ہو گئی تھی اور صرف دو کیلوں کے سہارے لٹک رہی تھی۔ میرے افغان ساتھی نے بتایا کہ تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ''دہ زنگی'' ہے' وہاں کوئی موچی مل جائے گا۔ علاقہ ہزارجات کا گورنر بھی وہیں رہتا تھا۔

دہ زنگی میں حاکم صوبہ سے ملاقات ہوئی تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اس کے چہرے پر مسرت اور فارغ البالی کے آثار نمایاں تھے۔ وہ امان اللہ شاہ کا قریبی رشتہ دار تھا' لیکن افغانستان میں جتنے آدمیوں سے ملاقات ہوئی میں نے اسے ان سب سے زیادہ ملنسار اور متواضع پایا اور اس نے بڑے اصرار سے دو دن کے لیے مجھے اپنے پاس ٹھہرا لیا تھا۔ دوسرے دن شام کو پرتکلف کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک افغان نے ستار پر داؤد و جالوت کا قصہ چھیڑ دیا۔ گیت پشتو میں تھا اور حاکم نے مجھے اس کا خلاصہ بتا دیا تھا۔ آخر میں اس نے تبصرہ کیا کہ داؤد کمزور تھے مگر

ان کا ایمان طاقتور تھا۔ میں نے برجستہ جواب دیا: ''اس کے برعکس آپ لوگ تعداد میں بہت ہیں' مگر ایمان کے اعتبار سے کمزور ہیں۔''

مسلمان پھر اسی روشن اور عظیم دین کی طرف پلٹ جائیں

میرا میزبان حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ میں کچھ گھبرا گیا اور اپنی بات کی تاویل میں سوالوں کی بوچھاڑ کر دی: ''مسلمانوں نے خود اعتمادی کیوں کھو دی ہے؟ ان کی عظمت کا سورج کیوں گہنا گیا ہے؟ ان کے علم وفن کی صلاحیتیں کیوں ماند پڑ گئی ہیں؟ کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہمت سے کام لے کر مسلمان پھر اسی روشن اور عظیم دین کی طرف پلٹ جائیں؟ کتنا عبرت ناک منظر ہے یہ کہ وہ کمال پاشا جس کی نظر میں اسلام کی کوئی وقعت نہیں' مسلمانوں کی نگاہ میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کا ہیرو بن گیا ہے!''

میرا میزبان ٹکٹکی باندھے حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں خاموش رہا تو وہ کہنے لگا: ''آپ تو مسلمان ہیں!''

''نہیں نہیں' یہ بات نہیں''۔ میں نے کہا: ''میں مسلمان نہیں' محض اسلام کے حسن و لطافت کا قدردان ہوں۔''

میرے میزبان نے سر ہلاتے ہوئے کہا: ''نہیں بھائی بات وہی ہے جو میں نے کہی تھی آپ مسلمان ہیں' لیکن خود آپ کو اس کی خبر نہیں۔ آپ کلمہ پڑھ کر مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے جبکہ دل کی گہرائیوں سے آپ اسلام قبول کر چکے ہیں!''

میں نے اس وقت تو بات ٹال دی' پھر یہ الفاظ کئی ماہ تک میرے کانوں میں گونجتے رہے کہ ''آپ مسلمان ہیں لیکن خود آپ کو اس کی خبر نہیں۔''

میں افغانستان کے کئی ہفتے کی سیاحت کے بعد روس چلا گیا اور وہاں سے اپنے وطن لوٹ آیا۔ میری غیر حاضری میں میرا نام صحافتی حلقوں سے نکل کر علمی دنیا میں شہرت حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ برلن کی جغرافیائی سیاسی اکیڈمی نے لیکچرز کے ایک سلسلے میں مجھے دعوت دی۔ اس وقت میری عمر ۲۶ سال تھی اور اس عمر میں یہ اعزاز آج تک کسی کو نہیں ملا تھا۔

اسلام کے لیے میرا استغراق بڑھتا گیا

اسی زمانے میں میں نے شادی کر لی۔ میری اہلیہ نے میرے خیالات سے اتفاق کیا۔ ہم میاں بیوی پہروں قرآن کا ترجمہ پڑھتے اور اس کی تعلیمات پر بحث کرتے تھے۔ اسی

بحث وتمحیص میں میرے سامنے اسلام کی ایک ایسی مکمل تصویر آ گئی جو مجھے حیرت زدہ اور مدہوش کیے رکھتی تھی۔ روح اور مادہ کی یکساں اہمیت‘ عقل کی کارفرمائی‘ پیغمبر اسلام ﷺ کی بھرپور روحانی‘ معاشرتی اور سیاسی زندگی اور اسلام کا بین الاقوامی مزاج..... اسلام کے لیے میرا استغراق بڑھتا گیا۔

ستمبر ۱۹۲۶ء کی ایک شب میں برلن میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ زمین دوز ٹرین میں سفر کر رہا تھا۔ میرے سامنے کی سیٹ پر ایک جوڑا بیٹھا تھا۔ لباس اور ہیرے کی انگوٹھیوں اور وضع قطع سے دونوں بہت متمول نظر آتے تھے مگر ان کے چہرے اطمینان یا مسرت سے خالی تھے۔ وہ بہت غم زدہ اور حرماں نصیب دکھائی دیتے تھے۔ میں نے ڈبے میں چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا‘ ہر وہ شخص جو خوشحال معلوم ہوتا تھا‘ اس کے چہرے پر میں نے ایک مخفی الم کی جھلک دیکھی‘ اتنی مخفی کہ خود ان سب کو بھی اس کا احساس نہ تھا۔

میں نے اپنے اس احساس کا ذکر بیوی سے کیا تو اس نے بھی میری تائید کی: ’’واقعی یوں لگتا ہے جیسے یہ لوگ جہنم کی زندگی گزار رہے ہیں۔ سوچتی ہوں جو ان پر گزر رہی ہے اس کی انہیں خبر بھی ہے یا نہیں!‘‘

گھر واپس آیا اور نگاہ میز پر گئی تو اس پر قرآن کا وہ نسخہ رکھا تھا جو اکثر میرے مطالعے میں رہتا تھا۔ میں اس کو بند کر کے الماری میں رکھنا ہی چاہتا تھا کہ میری نگاہ کھلے ہوئے صفحے پر پڑ گئی‘ اس پر یہ آیات لکھی تھیں:

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝٧ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝٨﴾ (التکاثر)

’’تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔ ہرگز نہیں‘ عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ پھر سن لو کہ ہرگز نہیں‘ عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں‘ اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے (تو تمہارا یہ طرزِ عمل نہ ہوتا)۔ تم دوزخ دیکھ کر رہو گے۔ پھر (سن لو کہ) تم بالکل یقین کے ساتھ اسے دیکھ لو گے۔ پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے

میں جواب طلبی کی جائے گی۔‘‘

یہ کتاب خدا ہی کی نازل کردہ ہے

میں ایک لمحے کے لیے گم سم ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ کتاب میرے ہاتھ میں جنبش میں تھی۔ میں نے اپنی بیگم کو آواز دی: ’’دیکھو کیا یہ اس کا جواب نہیں جو گزشتہ رات ہم نے ریل میں دیکھا تھا؟‘‘ ہمیں ہمارے سوال کا جواب ہی نہیں مل گیا تھا‘ بلکہ متعلقہ شکوک وشبہات بھی ختم ہو گئے تھے۔ ہم نے سوچا یہ کتاب خدا ہی کی نازل کردہ ہے۔ یہ تیرہ سو سال پہلے محمد ﷺ پر اتری تھی مگر اس میں بہت وضاحت کے ساتھ ایسی پیشین گوئی کر دی گئی تھی جو ہمارے پیچیدہ مشینی دور سے زیادہ کسی اور دور میں سامنے نہ آئی ہوگی۔

اب مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن کسی انسان کی حکمت ودانائی کا نتیجہ نہیں۔ انسان لاکھ سمجھ دار حکیم اور دانا سہی‘ مگر وہ اس عذاب کی پیشینگوئی نہیں کر سکتا تھا جو بیسویں صدی کے لیے خاص تھا۔ دوسرے ہی روز میں برلن میں مسلمانوں کی انجمن کے صدر کے پاس گیا اور قبول اسلام کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے مجھے کلمۂ شہادت پڑھایا اور بولے آپ کا نام لیوپولڈ ہے اور یونانی میں لیو (Leo) شیر کو کہتے ہیں‘ اس لیے ہم آپ کو آج سے محمد اسد کہیں گے۔

چند ہفتے بعد میری اہلیہ نے بھی اسلام قبول کر لیا‘ جس کے کچھ ہی عرصہ بعد ہم نے یورپ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا‘ اس لیے کہ وہاں رہنا اب ہمارے لیے بہت بار تھا۔ چنانچہ ہم مصر سے ہوتے ہوئے جزیرۃ العرب آ گئے‘ جہاں ہماری زندگی ایک نئے اور انقلابی دور میں داخل ہو گئی۔

❁❁❁

شرک کی حقیقت، اقسام اور دورِ حاضر
کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجیے

حقیقت و اَقسامِ شرک

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت خاص 100 روپے، اشاعت عام 60 روپے

کہاں سے آئے صدا لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ!

پروفیسرعبداللہ شاہین ☆

اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم ...... بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ⑤﴾ (العلق)

مملکت اللہ داد پاکستان کا نظریہ پیش کرنے والے ہمارے ملی شاعر ڈاکٹر محمد اقبال کا ایک شعر ہے ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ!

اور زیر نظر مضمون کا عنوان اسی شعر کے دوسرے مصرعہ سے لیا گیا ہے۔

قارئین کرام! آپ اس بات سے بخوبی آگاہ ہوں گے کہ قیامِ پاکستان سے پہلے تحریک پاکستان کے دوران برصغیر میں یہ نعرہ زوروں پر تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ!'' —— لہٰذا چاہیے تو یہ تھا کہ اسلام کے نام پر حاصل کردہ اس خطۂ ارضی کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے لیے قومی تعلیمی نصاب کو نظریۂ پاکستان سے ہم آہنگ کیا جاتا اور اسے انگریزی کلچر' ہندوانہ رسوم و رواج اور گمراہ کن سیکولر خیالات سے آزاد کرایا جاتا' مگر مقامِ افسوس ہے کہ قیامِ پاکستان کے ستر سال بعد بھی ہمارا نصابِ تعلیم کتاب وسُنّت سے مطابقت حاصل نہیں کر سکا۔

آیئے! ہم بات کا آغاز وہیں سے کرتے ہیں جہاں سے ہمارے رب نے ابتدا کی ہے۔ چنانچہ اسی کی نسبت سے آغازِ مضمون میں سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات تحریر کی گئی ہیں' جو بالاتفاق پہلی وحی پر مبنی ہیں' جن میں رسول کریم ﷺ کو علم کی فضیلت سے آگاہ کرتے ہوئے اپنے اُس رب کے نام سے لب کشائی کا حکم دیا گیا ہے جس نے ساری کائنات خصوصاً انسان جیسی

☆ ریٹائرڈ پرنسپل' گورنمنٹ کالج حافظ آباد

اشرف مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اسے ہر طرح کا علم دیا اور قلم سے لکھنا سکھایا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ انسان کو فضیلت ہی ''علم'' کی بنیاد پر دی گئی ہے' چنانچہ قرآن حکیم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنانے کا ذکر فرمایا ہے وہیں ان کی یہ صفت بیان کی ہے: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام اشیاء کے نام اور خواص سکھا دیے۔ خود پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے بھی حصولِ علم کی فرضیت بیان کرتے ہوئے اس کی فضیلت کے باب میں فرمایا ہے:

((...... مَنْ سَلَكَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِیْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ، وَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَاِنَّ الْعَالِمَ لَیَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالْحِیْتَانُ فِیْ جَوْفِ الْمَاءِ)) (رواہ الترمذی وابوداوٗد وابن ماجہ' عن عویمر بن مالک رضی اللہ عنہ)

''...... جو طالبِ علم حصولِ علم کے لیے چل نکلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتے ہیں' اور فرشتے اپنے بازو طالب علم کی رضامندی کے لیے بچھا دیتے ہیں' اور بے شک طالب علم کے لیے استغفار کرتی ہے ہر مخلوق جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور پانی کے اندر مچھلیاں بھی۔''

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی بڑی فضیلت اور اس قدر فوقیت کس ''علم'' کی بنیاد پر ہے؟ کیا وہ ''علم'' جو ہمارے سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے! یاد رہے کہ سلف صالحین نے علم کی دو قسمیں بیان کی ہیں' لہٰذا عربی مقولہ ہے: **العِلم عِلمان: عِلم الادیان وعلم الابدان** یعنی علم دو طرح کے ہیں: ایک دین کا علم اور دوسرے اعضاء و جوارح کا علم۔ چنانچہ ہمارے اسلاف علمائے دین ہونے کے ساتھ ساتھ علم طب کے بھی ماہر ہوا کرتے تھے۔ دین اسلام کی خدمت فی سبیل اللہ کیا کرتے تھے اور اپنی روزی روٹی کا بندوبست ایک طبیب کی حیثیت سے علاج معالجہ کے ذریعے کرتے تھے۔ ''علم'' کی اس تقسیم کو آپ یوں بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ ایک قسم ہے ''Revealed Knowledge'' جو بذریعہ وحیِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اور دوسری قسم ہے ''Acquired Knowledge'' جو حواسِ خمسہ یعنی دیکھنے' سننے' چھونے' چکھنے اور سونگھنے سے حاصل ہوتا ہے —— اس ضمن میں پیش نظر رہے کہ ''Revealed Knowledge'' جو بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے وہ قطعی' حتمی اور یقینی ہے اور اس میں کسی غلطی کا امکان نہیں ہے۔ جبکہ حواسِ خمسہ جن میں سے دیکھنا اور سننا دو بڑے

ذرائع ہیں‘ ان کے ذریعے حاصل ہونے والے علم میں غلطی کا امکان بھی موجود ہے‘ جس کی مثال آگے چل کر پیش کی جائے گی۔ لہٰذا ’’Acquired Knowldege‘‘ جو ہماری جدید درس گاہوں میں پڑھایا جاتا ہے‘ اگر ’’Revealed Knowldege‘‘ یعنی کتاب وسنت کے تحت پڑھایا جاتا ہے تو درست ہوگا۔

اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ کی تشریح یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ علم الادیان کے ساتھ علم الابدان جو علم کی دوسری قسم بیان کی گئی ہے‘ پہلے دور میں تو اس سے مراد صرف علمِ طب لیا جاتا تھا مگر آج کے دور میں ہم اسے Knowledge of Bodies یعنی تمام مادی اشیاء کا علم بھی کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا تمام سوشل اور فزیکل سائنسز اسی زمرہ میں آجائیں گی‘ بشرطیکہ پولیٹیکل سائنس‘ فزکس‘ کیمسٹری‘ زوآلوجی‘ باٹنی‘ جیالوجی وغیرہم تمام علوم کتاب وسنت کی روشنی میں پڑھائے جائیں‘ مگر ہمارے ہاں اس کا کسی درجے میں بھی اہتمام نہیں کیا جاتا۔

مثال کے طور پر مروّجہ نصاب تعلیم کی آٹھویں جماعت کی اردو کی کتاب کا ایک سبق ملاحظہ کیجیے جس کا عنوان ہے ’’دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو‘‘۔ اس مضمون کے تناظر میں وہ ذہن اور مکتب فکر کارفرما ہے جو معاشرے میں دانشور کہلاتا ہے۔ یہ نام نہاد دانشور طبقہ بڑی چرب زبانی سے کام لیتے ہوئے یہ فلسفہ بگھارتا ہے کہ اصل انسانی کریکٹر تو یہ ہے کہ سچ بولا جائے‘ کسی کا مال بلاوجہ ہڑپ نہ کیا جائے‘ دوسروں سے ہمدردی کی جائے اور سوشل سروس یعنی رفاہی کاموں میں بھرپور حصہ لیا جائے۔ باقی رہا نماز‘ روزہ‘ تو یہ نجی اور ذاتی معاملہ ہے جو رب اور بندے کے مابین ہے۔

اس طرح وہ حقوق العباد پر تو زور دیتے ہیں لیکن حقوق اللہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ایک پہلو کے اثبات پر اتنا زور نہیں دینا چاہیے کہ دوسرے کی نفی ہی ہو جائے‘ بلکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں اعتدال و توازن کی ضرورت ہے اور دونوں کو balance کرنا چاہیے۔ مگر ہمارا یہ نام نہاد دانشور طبقہ محض خدمت انسانیت پر مصر ہے اور اپنے دعویٰ کی دلیل کے طور پر سیکولر ذہنیت کے حامل شعراء کے اشعار اِترا اِترا کر پڑھتا ہے‘ جیسا کہ فلاحی انسانی کاموں کو اوڑھنا بچھونا بنانے والے شاعر کا خیال ہے کہ قیامت کے دن اپنی نجات کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور یوں دعویٰ کناں ہوگا۔ ؎

داورِ حشر! مجھے تیری قسم عمر بھر میں نے ’’عبادت‘‘ کی ہے
تُو مرا نامۂ اعمال تو دیکھ میں نے انساں سے ’’محبت‘‘ کی ہے!
(احمد ندیم قاسمی)

گویا شاعر ’’محبت وخدمتِ انسان‘‘ کو ہی عبادت سمجھتا ہے اور ’’نماز‘ روزہ‘ حج‘ زکوٰۃ‘‘ مراسمِ عبودیت سے گریز پا ہے۔ چنانچہ مذکورہ سبق کا عنوان بھی اسی مکتب فکر کی نمائندگی کرتا ہے‘ اور جس شعر سے یہ عنوان ماخوذ ہے وہ کچھ یوں ہے ؎

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں (میر درد)

جبکہ یہ طرزِ فکر ہی قرآن مجید سے متصادم اور متعارض ہے۔ یہ نکتہ نظر تو ان فرشتوں کا تھا جنہیں انسانِ اوّل‘ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے بزعم خویش یہ کہا کہ تیری عبادت کے لیے تو ہم ہی کافی ہیں۔

﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ﴾ (البقرۃ: ۳۰)

’’اور ہم تیری تسبیح‘ حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔‘‘

مگر بعد ازاں انہوں نے خود تسلیم کرلیا کہ:

﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲﴾ (البقرۃ)

’’(پروردگار!) نقص سے پاک تو آپ کی ہی ذات ہے‘ ہمیں کوئی علم حاصل نہیں سوائے اس کے جو آپ نے ہمیں سکھایا۔ بے شک آپ ہی جاننے والے‘ حکمت والے ہیں۔‘‘

پس قرآن حکیم میں واضح طور پر تخلیق انسان کا اولین مقصد عبادتِ ربّ بیان ہوا ہے۔

سورۃ الذاریات میں صاف صاف فرما دیا گیا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶﴾

کہ فرشتوں کے علاوہ جنّوں اور انسانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ البتہ جہاں یہ حکم دیا گیا ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾ (النساء:۳۶) کہ فقط اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز یا ہستی کو شریک نہ بناؤ! وہاں تفصیلاً حقوق العباد کی تاکید بھی فرمائی ہے اور سرفہرست والدین کا حق رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي

الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط﴾ (آیت۳۶)

’’اور حسنِ سلوک کرو والدین سے اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مساکین سے اور قرابت دار ہمسائے سے اور اجنبی ہمسائے سے اور پہلو کے ساتھی (ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں) سے اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں۔‘‘

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قرآن مجید نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو کس طرح پہلو بہ پہلو رکھا ہے۔ اسی طرح احادیث رسول ﷺ میں بھی انسانوں بلکہ حیوانوں کے ساتھ بھی شفیقانہ سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے‘ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) ((لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ)) (متفق علیه)

’’جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا‘ اللہ بھی اس شخص پر رحم نہیں کرتا۔‘‘

(۲) ((خَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهٖ)) (رواہ الترمذی‘ عن عبداللہ بن عُمر رضی اللہ عنہ)

’’اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے لیے بہترین ہے۔‘‘

(۳) ((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ))

(رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

’’وہ شخص مؤمن نہیں‘ جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا رہتا ہے۔‘‘

(۴) ایک عورت جو صرف فرض عبادات کی پابند تھی (اور نفلی عبادات نہیں کرتی تھی) مگر اپنے ہمسایوں کو اپنی زبان سے تکلیف نہیں دیتی تھی‘ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ جنتی ہے‘‘۔ اس کے برعکس ایک ایسی عورت کا ذکر کیا گیا کہ یارسول اللہ! ایک عورت ہے جو فرض عبادات کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات کا بھی اہتمام کرتی ہے مگر اپنی زبان سے اپنے ہمسایوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ فرمایا: ’’وہ جہنمی ہے۔‘‘

(۵) ((اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ‘ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عَيَالِهٖ))

(رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

’’ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے‘ پس مخلوق میں اللہ کو سب سے محبوب وہ ہے جو اس کے کنبے سے حسن سلوک کرے۔‘‘

لہٰذا مخلوقات سے حُسنِ سلوک کرنے والا بہترین انسان ہے۔

(۶) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ، فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ، فَرَاَيْنَا حُمَرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ، فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا، فَجَاءَتِ الْحُمَرَةُ فَجَعَلَتْ تَفْرِشُ، فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: ((مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا اِلَيْهَا))

’’ہم ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپؐ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ پس ہم نے ایک سرخ چڑیا دیکھی جس کے ساتھ اس کے دو بچے بھی تھے‘ تو ہم نے دونوں بچوں کو پکڑ لیا۔ پس چڑیا آ کر (ہمارے سروں پر) پھڑ پھڑانے لگی۔ پھر نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: کس نے اس چڑیا کو اس کے بچوں کے بارے میں تکلیف پہنچائی ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس لوٹاؤ!‘‘

حضرات صحابہؓ مزید بیان کرتے ہیں:

وَرَاٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا، فَقَالَ: ((مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ؟)) فَقُلْنَا: نَحْنُ، قَالَ: ((اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ)) (رواہ ابوداوٗد)

’’(اسی سفر میں) رسول اللہ ﷺ نے چیونٹیوں کا ایک گھر دیکھا جسے ہم نے جلا دیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ’’چیونٹیوں کا یہ بل کس نے جلایا ہے؟‘‘ پس ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ’’بلاشبہ کسی کو سزاوار نہیں ہے کہ وہ کسی کو آگ کا عذاب دے‘ سوائے رب تعالیٰ کے جو آگ کا پیدا کرنے والا ہے۔‘‘

(۷) اور سب سے بڑھ کر آپ ﷺ نے یہ جامع ترین بات فرما دی: ((اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ)) (رواہ ابوداوٗد والترمذی)

’’تم زمین والوں پر رحم کرو‘ آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا!‘‘

چنانچہ کسی شاعر نے بہت عمدگی سے اسی حدیث کے مفہوم کو یوں نظم کیا ہے: ؎

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر!

لہٰذا مذکورہ بالا مضمون کا عنوان ’’دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو‘‘ کی بجائے ’’کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر‘‘ ہونا چاہیے تھا‘ جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سے طلبہ وطالبات کو آگاہ کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں اسلامی تعلیمات کے فروغ کی توفیق عطا فرمائے‘ آمین!

اصلی اور فرعی مسائل میں مخالفین کے ساتھ برتاؤ کرنے کے فقہی ضابطے

تالیف: ڈاکٹر احمد بن سعد الغامدیؒ (م ۱۴۳۴ھ)

ترجمہ: ڈاکٹر صہیب حسن ☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلاۃ والسّلام علٰی أشرف الأنبیاء والمرسلین وعلٰی آلہ وصحبہ أجمعین

بعد ازیں گزارش ہے کہ قرآن میں کثرت سے ایسی آیات ہیں جو آپس میں شیر وشکر رہنے اور جماعت کا ہاتھ تھامنے اور اختلاف وتفرقہ بازی سے اجتناب کرنے سے متعلق ہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠﴾ (آل عمران:۱۰۳)

''اور اللہ کی رسّی کو تم سب مل کر تھام لو اور فرقوں میں تقسیم نہ ہو۔''

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ﴾ (الانعام:۱۵۳)

''اور یہ کہ یہ (دین) میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے' سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تمہیں اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔''

☆ سیکریٹری' اسلامک شریعہ کونسل' لندن (برطانیہ)

چنانچہ الفت اور محبت سے رہنا دین کی اساسی تعلیمات میں سے ہے اور خاص طور پر ان اوقات میں جبکہ نئے نئے مسائل کا سامنا ہو اور فتنے برپا ہوں' اور اسی طرح پراگندہ زندگی سے بچا جا سکتا ہے جو اتحاد کی قاتل ہے' بغض وکینہ پیدا کرتی ہے اور باہمی قوت وطاقت کو چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قوت وطاقت اور ضعف و درماندگی کے اسباب کیا ہیں' اور یہ کہ الفت ومحبت کے ساتھ عزت اور افتخار وابستہ ہے اور فرقہ بندی اور اختلاف کے ساتھ ذلت اور ضعف جڑے ہوئے ہیں۔ ہر دور میں یہی ہوتا رہا ہے اور یہی سنت کائنات ہے۔ اور یہ بھی دیکھا گیا کہ جوں جوں جھگڑے بڑھتے رہے اور دامن اسلام کو تار تار کیا جاتا رہا تو رفوگری بھی کسی کام نہ آ سکی۔ اور پھر اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر ترقی مطلوب ہے تو پھر کوشش کی جانی چاہیے کہ بات ایک ہو' صفوں میں اتحاد ہو' جماعت اکٹھی رہے' ناجائز اختلاف کا قلع قمع ہو اور یوں تہذیب وتمدن کے میدان میں اس امت کے قول کا وزن ہو اور اس کا جھنڈا سرنگوں نہ ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کا یہ کام ان علماء ربانیین سے متعلق ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے علم کے وارث ہیں اور ائمہ ہدایت ہیں اور ظلمت شب میں قنادیل نور ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے استاذ مکرم ڈاکٹر احمد بن سعد بن حمدان غامدی (رحمہ اللہ) کو اس بات کی توفیق دی کہ وہ اس مسئلہ کی پوری طرح چھان بین کریں' مرض کی تشخیص بھی کریں اور دوا بھی تجویز کریں۔ اپنی تحقیق کا حاصل انہوں نے اپنی اس کتاب میں سمو دیا ہے' جس کا عنوان ہے: ''اصلی اور فرعی مسائل میں مخالفین کے ساتھ برتاؤ کرنے کے فقہی ضابطے''۔ حق یہ ہے کہ انہوں نے زخم پر ہاتھ رکھا ہے اور اپنی خداداد بصیرت اور علم کی روشنی میں اس کے لیے مرہم تجویز کیا ہے' اس موضوع کو ہر زاویے سے دیکھا اور پرکھا ہے' بنیاد بھی فراہم کی ہے اور اس پر پوری عمارت بھی اٹھائی ہے' اصول وضوابط کو خوب نکھار کے پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے رہوار قلم سے جو بھی تحریر میں آیا ہے اور ان کے لیے آخرت میں زادِ راہ بن جائے' اور اللہ کے سامنے پیش ہوتے وقت ان کے لیے سامانِ نجات بن جائے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر نیکی کو یاد رکھنے والے ہیں' وہی ہمارے لیے سب کچھ ہیں اور وہی ہمارا واحد سہارا ہیں۔

ہمارے محترم شیخ مخالفین کے ساتھ برتاؤ میں عدل وانصاف کے قائل تھے' پرسکون مکالمات اور موضوع کی حدود میں رہنے کی بنا پر شہرت حاصل کی۔ مجھے بعض ممالک میں منعقدہ علمی حلقوں میں اس کتاب کو پڑھانے کی کئی دفعہ سعادت حاصل ہوئی' اور مجھے اندازہ ہوا کہ نہ صرف مبلغین بلکہ اہلِ علم نے بھی اس کتاب کے مندرجات کو پسند کیا کہ جنہیں اگر موجودہ حالات پر منطبق کیا جائے تو اختلاف اور فرقہ بندی کے بادل چھٹ سکتے ہیں۔

رابطہ عالمِ اسلامی کی قائم کردہ ''عالمی تنظیم علماء مسلمین'' کے اغراض ومقاصد کے مطابق اور مسلمانوں کی صفوں کی شیرازہ بندی کی خاطر' یہ تنظیم اس کتاب کو لباسِ نو میں شائع کرنے کا ارادہ کر رہی ہے تاکہ خیر وفضل کی بات عام ہو سکے۔ میں ''عالمی تنظیم علماء مسلمین'' کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے اس کتاب کے آغاز پر چند تمہیدی سطور تحریر کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں' اور اس طرح شیخ کی نیکی اور نیک کام میں سبقت لے جانے کا اعتراف بھی ہو جائے گا' وگرنہ میں کیا اور میری حیثیت کیا۔ عمرو بن العلاء نے کیا خوب کہا: ''پچھلوں کے مقابلے میں ہم ایسے ہی ہیں جیسے سبزیوں کے چند خوشے کھجور کے سروقد درخت کی جڑ میں۔''

میں اللہ جل وعلا کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ مؤلف کتاب پر اپنی رحمت نازل فرمائیں' جنت کے فردوسِ بریں میں انہیں مقام عطا فرمائیں اور اس کتاب کو ان کے درجات کی بلندی کے لیے صدقہ جاریہ بنا دیں' اور مسلمانوں کو کلمہ حق پر جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں' انہیں آپس کی خانہ جنگی سے محفوظ رکھیں اور تمام فتنوں سے بھی امن میں رکھیں' چاہے وہ ظاہری فتنے ہوں یا باطنی۔ اور میں اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ وہ علماء کو حق بات بیان کرنے' جماعت کو قائم رکھنے' صفوں کو یکجا رکھنے اور اختلافات کو ختم کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وصلّی اللّٰہ تعالٰی علٰی نبینا محمد وعلٰی آلہ وصحبہ اجمعین والحمد للّٰہ ربِّ العالمین

ڈاکٹر سعد بن علی الشہرانی

عالمی تنظیم علماء مسلمین

مقدمہ اشاعت اوّل

الحمد للّٰہ ربّ العلمین والصّلاۃ والسّلام علی رسولہِ الامین وعلٰی آلہ وصحبہٖ اَجمعین وبعد:

اُمتِ اسلام ان دنوں تاریخ کے خطرناک ترین دور سے گزر رہی ہے کہ جس سے پہلے کبھی سابقہ پیش نہیں آیا۔ اس مرحلے پر یہ باتیں نمایاں ہیں:

(۱) اُمت ہر پہلو سے کمزور وناتواں ہے' اس میں عقیدہ' سیاست' اقتصادی حالت' اجتماعی' اخلاقی اور سلوکِ انسانی کے تمام پہلو شامل ہیں۔

(۲) اُمت کئی چھوٹے چھوٹے ملکوں میں اس طرح تقسیم ہو چکی ہے کہ ہر علاقے کا اپنا لیڈر' اپنی زمین' اپنی سیاست اور اپنے مقاصد ہیں۔

(۳) ہر ملک میں لوگ فرقوں اور پارٹیوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔

(۳) دشمن اس اُمت کے عقیدے' اس کے سرمایۂ حیات اور زر ومال کو نشانۂ ہدف بنائے ہوئے ہیں۔

(۴) معاشرے کے اندر سے کچھ لوگ دشمنوں سے ساز باز رکھتے ہیں۔

(۵) دینی مسائل کے بارے میں غلط مفہوم کو پھیلانا چاہتے ہیں۔

(۶) دشمنانِ اسلام امت کو اندرونی طور پر لڑانا چاہتے ہیں۔

(۷) دینی مسائل کے بارے میں غلط مفہوم کو پھیلانا چاہتے ہیں۔

(۸) اسی طرح میڈیا اور سیاحت کے توسط سے امت کی صفوں میں رذیل عادات رائج کرنا چاہتے ہیں۔

(۹) عوام کو حکام کے خلاف بھڑکاتے ہیں اور حکام پر اپنے عوام کو قعرِ مذلت میں رکھنے پر دباؤ ڈالتے ہیں۔

(۱۰) معاشرے کے تمام طبقات میں بغاوت کے جراثیم پھیلاتے ہیں۔ کہانی یہ گھڑی جاتی ہے کہ ظلم ہو رہا ہے اور حقوق مارے جا رہے ہیں' یہاں تک کہ بیٹا باپ کے خلاف اور بیوی شوہر کے خلاف کھڑی ہو جاتی ہے۔

(۱۱) ہر معاشرے میں مختلف فرقوں اور جماعتوں کو کھڑا کیا جاتا ہے۔

ان تمام منفی اور مضر عوامل کے ہوتے ہوئے اُمت کے ہوش مند افراد کا فرض بنتا ہے کہ وہ حالات کا بغور مطالعہ کریں تاکہ اُمت کی مشکلات کا مناسب حل نکل سکے یا کم از کم ان کے منفی اثرات میں کمی ہو سکے۔ ان تمام منفی پہلوؤں میں سب سے زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ اُمت اختلافات کا شکار ہے اور اس کا اظہار علماء‘ مبلغین‘ حکام کے اختلاف اور اُمت میں مختلف فرقوں اور جماعتوں کی کثرت اور ان کے اختلافِ رائے سے ہوتا ہے۔ آج کے دور میں جبکہ مختلف فرقوں اور جماعتوں کے درمیان محسوس رکاوٹیں دور ہو چکی ہیں اور مختلف مذاہب اور ان کے عقائد آمنے سامنے کھڑے نظر آتے ہیں‘ اس بات کی ضرورت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ ایسی حالت کا مقابلہ کیسے کیا جا سکے۔ ماضی میں مخالف کے ساتھ ذرا فاصلے پر رہ کر بات کی جاتی تھی‘ لیکن اب تو مخالفین اکثر جگہوں پر اور اکثر وسائل نشر و اشاعت میں ایک دوسرے کے سامنے خم ٹھونکے نظر آتے ہیں۔ اب کہاں مخالف کے ساتھ کچھ واسطوں کے ذریعہ بات کرنا اور کہاں یہ کہ اس کے ساتھ بلا کسی واسطہ کے مقابلہ کیا جائے! اور پھر کہاں وہ اختلاف جو کتابوں کے صفحات تک ہو اور کہاں وہ جو حقیقی طور پر موجود ہو۔ اور کہاں وہ اختلاف کہ جو صرف دو پارٹیوں تک محدود ہو اور کہاں وہ کہ جسے آپس میں لڑائی کرانے کے لیے استعمال کیا جائے۔ آج دشمنانِ اسلام پردے کے پیچھے سے ہر اسلامی گروہ کو مدد پہنچا رہے ہیں تاکہ دوسرے گروہ کی ٹھکائی ہو سکے۔ مقصد یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ تمہارے حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے۔

ان تمام اسباب کی بنا پر‘ جن میں سے کچھ کا بیان نہیں ہوا ہے‘ یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اختلافی باتوں میں ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے ہونے کے معاملے پر نظرثانی کریں تاکہ دشمن کو ہمارے اختلافات سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ مل سکے۔

ہمیں بہرصورت اختلافات کے باوجود امت کی وحدت کو برقرار رکھنا ہوگا‘ کیونکہ ایسا ہونا ناممکن ہے کہ کوئی بھی معاشرہ اختلافات سے پاک ہو‘ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ کوئی ایک خاندان بھی ایسا ملنا مشکل ہے جس میں اختلافات نہ پائے جاتے ہوں‘ بلکہ اس سے بڑھ کر ہم یہ بھی کہیں گے کہ ایسے دو افراد بھی دکھا دیں جن میں اختلاف نہ پایا جاتا ہو‘ یہ اور بات ہے کہ اختلاف کا حجم اور اس کی صورت کم و بیش ہو۔

اس لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ طریق (منہج) بالکل واضح ہو کہ جس کی روشنی میں اختلافی مسائل کا محاکمہ کیا جا سکے‘ اور پھر اس منہج کا قرآن کریم‘ سنت نبویؐ اور امت کے علماء کے اقوال پر مبنی ضابطوں سے ماخوذ ہونا لازمی ہے‘ تاکہ اُمت کی وحدت کی حفاظت کی جا سکے اور ان نزاعات کو رفع کیا جا سکے جو ہماری غفلت یا علاج کے طریقوں سے ہماری ناواقفیت کی بنا پر پیدا ہوئے ہیں۔

اگر منہج درست ہوگا تو بہت سارے اختلافات رفع ہو سکتے ہیں‘ دلوں میں قربت پیدا ہو سکتی ہے‘ امت مضبوط ہو سکتی ہے اور داخلی اور خارجی طور پر اُمت کے دشمنوں کا راستہ بند کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر میں نے قرآن کریم اور سنت نبوی سے چند فقہی ضابطے جمع کیے ہیں اور انہیں مزید سمجھنے کے لیے علماء کے اقوال اور روحِ شریعت سے اخذ کردہ ان کے استنباطات سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ اور یہ اس لیے بھی کہ علماء‘ بقول امام ابنِ تیمیہؒ کے نبی ﷺ کی منشا کو سب سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ احکامِ شریعت کے بیان میں اور اس ضمن میں ان کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ’’چونکہ شریعت کے احکامات میں سے ایسے بہت سے احکام ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے‘ لہٰذا ایسے علماء کی طرف رجوع کرنا انتہائی ضروری ہو جاتا ہے جو انہیں صحیح صحیح بتا سکیں‘ کیونکہ وہ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کیا فرمایا تھا اور پھر ان کی مراد کیا تھی۔ یہ علماء ہی ہیں جو لوگوں اور رسول ﷺ کے درمیان وسیلے‘ راستے اور راہنمائی کا درجہ رکھتے ہیں‘ جو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے لوگوں تک پہنچاتے ہیں‘ اپنی وسعت اور اجتہاد کی حدود میں فرامین رسول کی منشا اور غرض کو سمجھتے ہیں۔ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ ایک عالم کو وہ علم اور فہم عطا کرتے ہیں جو دوسرے کو حاصل نہیں ہوتا‘ اور کبھی اس کے پاس ایک مسئلہ کے بارے میں وہ علم ہوتا ہے جو پہلے والے کے پاس نہیں ہوتا۔‘‘(۱)

اور جیسے کہ علامہ امیر صنعانیؒ نے ارشاد فرمایا:

> ’’ان دو باتوں میں فرق ہے‘ وہ یہ کہ ایک عالم کی اس کے تمام اقوال میں تقلید کی جائے اور دوسری یہ کہ اس کے فہم سے استفادہ کیا جائے۔ پہلی بات کتاب و سنت کے دلائل سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کے قول کو لینا ہے‘ اور دوسری بات کہ اس کے فہم سے استفادہ کیا جائے‘ ایسے ہی ہے جیسے راستہ جاننے کے لیے ایک رہنما لیا جائے‘ یا وہ شخص

جو راستے میں کھو گیا ہو وہ کسی ماہر گائیڈ کی خدمات حاصل کرے' گویا دلیل کی طرف پہنچنے کے لیے ایک اور دلیل (راہنما) کا سہارا لیا جائے۔''(۲)

میں نے اس کتاب کا عنوان رکھا ہے: ''**الضوابط الفقهية للتعامل مع المخالف في المسائل الأصلية والفرعية**'' (اصلی اور فرعی مسائل میں مخالفین کے ساتھ برتاؤ کرنے کے فقہی ضابطے۔)

میں نے یہاں لفظ ''فقہی'' استعمال کیا ہے نہ کہ ''شرعی'' کیونکہ فقہ کی نسبت صاحب کتاب کی طرف کی گئی ہے جس کا مطلب ہے ''سمجھنا'' یعنی مؤلف کتاب یا تحقیقی مقالے کے کاتب کا فہم جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔

''شرعی'' کی نسبت شرع کی طرف ہے جس میں غلطی قبول نہیں کی جا سکتی۔ گویا اس کتاب کی آراء اجتہاد کا درجہ رکھتی ہیں اور اجتہاد کو لازمی طور پر پکڑنا ضروری نہیں ہے۔

''أصلی'' سے میری مراد عقیدے سے متعلق وہ مسائل ہیں جس میں ایسی کوئی نص وارد نہیں جو قطعی طور پر ثابت ہو (**قطعي الثبوت**) اور جس کی دلالت بھی قطعی ہو (**قطعي الدلالة**) وہ اس لیے کہ دین میں دلائل کے چار مراتب ہیں:

(۱) قطعی طور پر ثابت ہو اور اس کی دلالت بھی قطعی ہو۔

(۲) قطعی طور پر ثابت ہو لیکن اس کی دلالت ظنی ہو۔

(۳) ظنی طور پر ثابت ہو اور اس کی دلالت بھی ظنی ہو۔

(۴) ظنی طور پر ثابت ہو لیکن اس کی دلالت قطعی ہو۔

جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو اس کتاب کے موضوع میں وہ داخل نہیں ہے۔ یعنی ایسی دلیل جس کے الفاظ ثابت ہوں اور اس کا معنی و مطلب اتنا واضح ہو کہ جس سے اہلِ علم کے درمیان اختلاف رفع ہو جائے' اس قسم میں کسی کے لیے اختلاف کی گنجائش نہیں۔ باقی تینوں اقسام اس کتاب کے موضوع سے متعلق ہیں۔(۳)

اور اللہ کا شکر ہے کہ امت میں دین کے اصولی مسائل' جن کو اہلِ سنت کے نزدیک ارکان کا نام دیا گیا ہے' کوئی اختلاف پایا نہیں جاتا' یہ وہ مسائل ہیں جو حدیثِ جبرائیل میں مذکور ہیں۔ اگر انہیں اختلاف ہوا ہے تو ان مسائل میں جو ارکان کی جزئیات سے متعلق ہیں' اور یہ قطعاً مناسب نہیں کہ انہیں فتنہ پھیلانے اور مخالف کو ایذاء پہنچانے کے لیے استعمال کیا جائے'

جبکہ مخالف نے حق جاننے کے لیے پوری پوری محنت صرف کر دی تھی لیکن حق تک پہنچنے سے محروم رہا۔ اس نے اپنی استطاعت کے مطابق بحث اور تحقیق کی جس کا اللہ تعالیٰ نے اسے مکلّف قرار دیا تھا' لیکن جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ انسان حق تک پہنچ جائے تو اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو اس کا مکلّف قرار نہیں دیا' اور یہ بات اس کتاب کے مطالعہ سے' ان شاء اللہ' واضح ہو جائے گی۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس کتاب سے صاحبِ کتاب اور قارئ کتاب دونوں کو نفع پہنچے۔ بے شک وہ سننے والے ہیں اور دعا قبول کرنے والے ہیں۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وسلم

تاریخ تحریر: ۱۴۲۸/۶/۱ھ

ڈاکٹر احمد بن سعد حمدان الغامدی
قسم دراسات عُليا میں عقیدے کے استاذ
اُمّ القریٰ یونیورسٹی (مکہ مکرمہ)

حواشی

(۱) فتاویٰ امام ابن تیمیہ ۲۰: ۲۲۴۔

(۲) محمد بن اسماعیل الصنعانی' ارشاد النقاد الی تیسیر الاجتهاد' ص ۱۰۴

(۳) استاذ عبدالکریم النملہ اپنی قابل قدر کتاب ''الجامع لمسائل اصول الفقه وتطبيقاتها على المذاهب الراجح'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اجتہاد صرف ظنی امور میں ہو سکتا ہے جس میں مندرجہ ذیل اقسام شامل ہیں:

(۱) نص قطعی طور پر ثابت ہو لیکن دلالت ظنی ہو' جیسے قرآن کی وہ آیات اور وہ متواتر احادیث جن کے الفاظ سے ظنی طور پر حکم کا اثبات ہو رہا ہو۔

(۲) نص ظنی طور پر ثابت ہو لیکن اس کی دلالت قطعی ہو' جیسے **وہ أخبار آحاد** جن کی دلالت قطعی ہو۔

(۳) نص کے الفاظ اور دلالت دونوں ظنی ہوں' جیسے وہ اخبار آحاد جن سے ظنی طور پر حکم کا اثبات ہو۔

(۴) ایسے امور میں اجتہاد جن میں نہ نص ہو نہ اجماع۔'' (صفحات ۲۹۸۔۳۹۹)

مقدمہ اشاعت دوم

الحمد للّٰہ ربّ العلمین والصَّلاۃ والسَّلام علی رسولہِ الامین وعلٰی آلہ وصحبہٖ اَجمعین

اُمت مسلمہ قیادت اور رہنمائی کے پیدا کی گئی ہے' اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ اس کے افراد کی تعداد زیادہ ہے' اور نہ اس لیے کہ انسانوں کی قیادت کے لیے اس کے پاس مادی ذرائع موجود ہیں' اور نہ اس لیے کہ وہ جغرافیائی لحاظ سے ایک ممتاز علاقے کی مالک ہے' اور نہ اس لیے کہ اس کے پاس دوسری امتوں کے مقابلے میں منفرد مادی وسائل موجود ہیں' بلکہ صرف اس لیے کہ وہ زندگی اور زندہ لوگوں کے بارے میں صحیح تصور رکھتی ہے' اس کائنات کے خالق اور خود اس کائنات کے بارے میں صحیح عقیدہ رکھتی ہے۔ یہ وہ واحد امت ہے جو فرد اور معاشرے کو چلانے کا صحیح نظام رکھتی ہے' اور یہ وہ واحد اُمت ہے جو زندگی کے تمام گوشوں' چاہے وہ سیاسی ہوں' اقتصادی ہوں' اجتماعی ہوں یا اخلاقی' کو حرکت میں لانے کا صحیح لائحہ عمل رکھتی ہے۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تمام منفرد خصوصیات رکھنے کے باوجود جس حالت میں وہ جی رہی ہے وہ ان تمام خصوصیات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ اور اس کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ صحیح طریقے سے اپنی زندگی میں ان عظیم الشان خزانوں سے استفادہ نہیں کر پا رہی ہے۔ ان تمام خصوصیات سے استفادہ کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ کیا ہے؟

نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے اختلافات' اس پر مستزاد نئے اختلافات کہ جو دین کی کج فہمی کی بنا پر ہیں اور جن کی بنا پر باہمی اخوت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ فرقہ بندی عروج پر ہے' جس کے نتیجے میں وہ ایک امت نہیں' کئی امتوں میں تقسیم ہو چکی ہے' اور ان میں سے ہر ایک کا اپنا فہم' اپنا اسلوب اور اپنا طریق کار ہے' جو دوسرے کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسے اپنے سے دور کرتا ہے اور بعض اوقات اسلام ہی کے نام پر اس کا خون' اس کی عزت اور اس کے مال کو بھی مباح قرار دیتا ہے' اور یقیناً یہ کام ان بدترین کاموں میں سے ہے جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ ان کے ضعف میں اضافہ ہوا بلکہ یہ اللہ کے دین سے روکنے کا بھی سبب بنا۔

ہم یہ بات عمومی طور پر کر رہے ہیں' اگرچہ ہر جگہ اور ہر زمانے میں بھلے لوگوں کی کمی نہیں

ہو رہی ہے۔ لیکن بہرصورت یہ حالت ایک عارضی بیماری کی طرح ہے جو اللہ کے اذن سے زائل ہونے والی ہے' کیونکہ ہم ہر جانب سے حالات کو درست کرنے کی پکار سن رہے ہیں' اس لیے امید ہے کہ اس کے مثبت اثرات ظاہر ہوں گے' اور تصحیح اور رہنمائی کے اس عمل میں حصہ لینا ان اہم ترین نیکیوں میں سے ہے جن سے اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔

میں نے یہ کتاب اسی غرض سے تحریر کی ہے تاکہ وہ اس عمارت کی ایک اینٹ بن سکے جو تصحیح افکار کے لیے کھڑی کی جا رہی ہے اور جس کے قائم کرنے کے لیے اہلِ ایمان ہر جگہ ندا لگا رہے ہیں۔ پھر بھی ہمیں یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ تصحیح کا یہ عمل مضبوط بنیادوں اور درست ضابطوں کا مرہونِ منت ہونا چاہیے کہ جو کتاب اللہ' سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور ان دونوں مصادر کے صحیح فہم پر قائم ہوں' وگرنہ جن ثمرات کی امید کی جا رہی ہے وہ حاصل نہ ہو پائیں گے۔

اور میں اللہ عزوجل سے امید کرتا ہوں کہ میری یہ کتاب انہی مضبوط بنیادوں پر استوار رہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کتاب کی پہلی اشاعت نے مسلم ممالک کے اہلِ علم میں قبولِ عام پایا۔ میں نے اپنی تحریر میں اختصار سے کام لیا ہے لیکن اس طرح کہ تشنگی نہ باقی رہے' کیونکہ کثرتِ کلام اور پھر قاعدوں اور فروعات کی بھرمار گو فائدے سے خالی نہیں ہوتی لیکن قاری کو اُلجھا کے رکھ دیتی ہے اور پراگندگی فکر کا باعث بنتی ہے۔

میں نے اس اشاعت میں چار نئے ضابطے رقم کیے ہیں جن کا اس کتاب میں شامل کیا جانا فائدے سے خالی نہیں' یہ تیئیس (۲۳) سے چھبیس (۲۶) تک والے ضابطے ہیں۔ کہیں کہیں میں نے ضوابط کی ترتیب میں بھی تبدیلی کی ہے اور بعض عبارتوں کو بھی نکھارا ہے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اس محنت کو نفع بخش بنائیں۔ بے شک وہ سننے والے اور قبول کرنے والے ہیں۔ اور ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر صلاۃ وسلام ہو۔

تحریر: ۱۴۳۱/۱۲/۱ھ

حاشیہ

(۱) اب یہ چوتھی اشاعت آپ کے ہاتھ میں ہے' جس میں چوتھے ضابطے کو دسویں میں سمو دیا گیا ہے۔

[فقہی ضابطوں پر مشتمل یہ گراں قدر کتاب قارئینِ میثاق کی خدمت میں بالاقساط پیش کی جا رہی ہے۔]

ہمّت ہے تو پیدا کر فردوسِ بریں اپنا!

انیسہ مُنعِم

آج کا جدید روشن خیال اور مہذّب انسان انسانی خواہشات کو ہی سب سے بڑی حقیقت ماننے لگا ہے۔ اس لیے ان خواہشات کی تکمیل میں مگن ہو کر اصل حقائق اور سچائیوں سے غافل ہو رہا ہے۔ میانہ روی اور اعتدال کی راہ سے دور نکل گیا ہے اور یوں معاملاتِ زندگی میں ہی الجھ کر رہ گیا ہے۔ کہیں پر شادی کا معاملہ ہو یا مرگ کا موقع ہو، زیبائش و آرائش کو ہی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر اپنی بڑائی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ معاملہ مکان، لباس، خوراک تک ہی محدود نہیں، وقت کی دولت کو بھی پامال کیا جا رہا ہے۔ رات گئے تک ہوٹلوں میں مخلوط ماحول میں وقت گزارا جا رہا ہے۔ جوا، شراب، عیاشی، دعوتیں، فلمیں اسی میں فرصت کے لمحات گزارے جا رہے ہیں۔

دوسری طرف زر پرستی کی یہ صورت ہے کہ نہ اپنی ذات پر نہ بنیادی ضرورتوں پر خرچ کرنے کا حوصلہ ہے۔ صرف مال جمع کرنے کا شوق ہے کہ دولت میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہو جائے۔ اور پھر خود کو اس ہوس پرستی اور زر پرستی کی بنیاد پر انتہائی عقلمند سمجھتے ہیں۔

رسولِ مکرّم حضرت محمد ﷺ کی پیدائش کے وقت بھی جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے عرب معاشرے میں ایسے ہی حالات تھے۔ دونوں طرح کے لوگ کثرت سے پائے جاتے تھے۔ راتیں ناچ گانے، عیاشی، قصہ گوئی اور گپ شپ میں وقت ضائع کرتے گزر جاتیں۔ ڈاکے اور چوریاں بھی کثرت سے تھیں۔ سب لایعنی شغل اور معاملات زندگی کا حصہ تھے۔

دراصل یہ دونوں طرح کے انسانی گروہ زوال پذیر معاشروں میں ہمیشہ سے پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ اچھے، مخلص اور بہترین خصائص کے حامل لوگ بھی موجود رہتے ہیں اور رہیں گے، لیکن معاشرتی بگاڑ کی وجہ سے دبے ہوتے ہیں اور اقلیت میں بھی ہوتے ہیں، اس وجہ سے نمایاں نہیں ہو پاتے۔ فضول خرچی اور تبذیر کے شکار انسان کی یہ نفسیات ہوتی ہے کہ ہم ہی

سب سے بڑھ کر ہیں، عروج ہمارا حصہ ہے اور اپنی کبریائی کا اظہار چاہتے ہیں۔ اور پیسہ جوڑ جوڑ کر رکھنے والے بخیل انسان نفسیاتی طور پر اپنی دولت کی کثرت کی بنا پر اپنی بڑائی کا اظہار کر کے اپنے تکبّر کی تسکین کرتے ہیں اور اپنی اسی نفسیات کی بنا پر اپنے پاس دولت کی زیادتی دیکھ کر اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر خوش ہوتے رہتے ہیں۔

دراصل انسان کسی بھی حوالے سے کم تر ہونا پسند نہیں کرتا، اسی لیے ہندوازم میں اونچ نیچ اور انسانوں میں برتر اور کم تر کی تفریق کرنا، ان کے اپنے ہی مذہبی نظام کو قابلِ نفرت ثابت کرتا رہا ہے۔ برصغیر میں ہم نے ایک زمانہ ہندوؤں کے ساتھ گزارا ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر یہ بدکرداری راسخ ہو گئی اور مفاد پرستی بھی عروج پر چلی گئی۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی میں مسلمانوں کی شکست کی یہی وجہ تھی کہ مسلمان آپس میں بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے، اتحادِ ملی پارہ پارہ ہو گیا تھا، فرقہ پرستی نے مسلمانوں کو توڑ دیا اور وہ بکھر کر رہ گئے تھے، عبادات رسمی طور پر تھیں، عقائد کا تعلق عملی زندگی سے ٹوٹ چکا تھا۔ اس زوالِ سیرت کی وجہ سے فرقہ پرستی اور مفاد پرستی کی بنیاد پر گروہ بندیاں غالب تھیں اور یوں انسانیت سے ناطہ توڑ کر منطقی طور پر شکست سے دوچار ہوئے۔

اب موجودہ حالات میں بھی اُس گزرے وقت کی تصویر ابھر رہی ہے اور اس کی جھلکیاں ہر طرف نمایاں ہو رہی ہیں۔ مسلمانوں کو اب بھی ہوش آ جانا چاہیے اور انفرادی اور اجتماعی سطح پر ہوش مندوں کو اپنی اصلاحی کوششیں مزید تیز کر دینی چاہئیں۔ اگر انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے ذریعے انسان کی سوچ کو مثبت رُخ دے دیا جائے اور تربیت کے مراحل سے اس طرح گزارا جائے کہ بڑائی اور پستی کا معیار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور تعلیمات کی روشنی میں متعین کیا جائے اور آپؐ نے تربیت کے مراحل سے جس طرح اپنے اصحاب کو گزارا تھا اس کو ہی مشعلِ راہ بنایا جائے تو اصلاح کی صورت ضرور سامنے آئے گی۔ اس کے لیے دینی اور دُنیوی دونوں طرح کے طرزِ تعلیم میں اصلاح کی ضرورت ہے، کیونکہ عوام الناس پر تبلیغ بالکل اثر کر ہی نہیں رہی۔ یہ نیکی اور بدی کا فرق محسوس نہیں کر رہے۔ حصولِ دولت کے فریب میں مردہ ضمیر ہو چکے ہیں اور موجودہ مفاد پرستی کے نظام کے ساتھ مطابقت کو اپنی ضرورت سمجھ رہے ہیں۔

اگر غیر جانبداری سے دیکھا جائے تو غریب عوام کی اس نفسیاتی حالت کا اصل سبب یہ

ہے کہ وہ معاشرتی اور معاشی حوالے سے غیر محفوظ ہیں۔ اس لیے ہر دردِ دل رکھنے والے مسلمان کے اندر ان کی اصلاح کا تقاضا ابھرنا چاہیے۔ نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ انسانِ کامل اور کامل راہنما ہیں۔ آپؐ کی پیغمبرانہ قیادت میں اصلاح وتزکیہ کے ذریعے عقائد انسانی زندگی پر اثر انداز ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے طریق اصلاح کی بنیاد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو نصب العین بنا کر اللہ کے احکام کے مطابق زندگی کو ڈھالا گیا اور پھر انفرادی سیرت کی تعمیر سے بہترین معاشرہ وجود میں آیا تھا۔ چونکہ زندگی ایک وحدت ہے اور اس میں اخلاق اور معیشت کا باہم گہرا ربط وتعلق ہے' یعنی انفاق وزکوٰۃ کے فرض کی ادائیگی مستحق افراد کی معیشت کہلاتی ہے۔ اس ربط کو پیش نظر رکھنے سے عملی جدوجہد کے کامیاب نتائج پیدا ہو کر رہیں گے۔

اب جہاں تک ہماری معیشت کا تعلق ہے تو ہم مسلمان اپنے آزاد وطن میں کفار کی معاشی گرفت کی وجہ سے آزاد نہیں ہیں۔ انہوں نے بڑی فریب کاری سے شعوری طور پر معاشی گرفت کا یہ جال بُنا تھا اور ہم اس میں بُری طرح پھنس چکے ہیں' جو کہ حق وباطل کی ازلی وابدی جنگ کا مظہر ہے۔

ہمیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے راستے پر گامزن ہو کر ہی باطل کے جالوں اور چالوں سے اللہ کی پناہ حاصل کرنا ہوگی اور اس کے لیے مثالی اسلامی معاشرہ قائم کرنا ہوگا۔ اسی میں فرد کی بقا ہے۔ معاشرے کے ایسے افراد تیار کرنا ہوں گے جو اللہ کے نور سے اپنی سوچ کو منور رکھنے والے اور معاشرے کو روشنی دینے والے ہوں' تاکہ معاشرہ تمام تر خوف وفکر سے آزاد ہو سکے۔ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو زمین پر بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۸﴾ (البقرۃ)

''جب کبھی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے تو اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف اور غم نہیں۔''

اس ہدایت کی بدولت جو امت وجود میں آئی تو اس کی یہ خوبیاں بیان فرمائی گئیں:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

لہٰذا فرد اور معاشرے کو خوف وغم سے نجات دلا کر تحفظ فراہم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مفاد پرستی کی بنیاد پر مبنی محدود وفاداریوں پر منظّم ہونے والے گروہوں کو مغلوب کر کے ان کی تخریبی سوچ کو کچل کے رکھ دیا جائے' تاکہ معاشرہ اپنی بنیاد کو مضبوط بنا کر مستحکم ہو کر خود کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو سکے۔ اگر موجودہ صورت حال پر قابو نہ پایا جا سکا تو ہم مکمل زوال کا شکار ہو جائیں گے۔ (اعاذنا اللّٰہ من ذٰلك!)

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ﴾ (الحجر: ۸۵)

''ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو حق کے ساتھ ہی پیدا فرمایا ہے۔''

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱﴾ (یوسف)

''اللہ اپنے ارادے پر غالب ہے' لیکن اکثر لوگ بے علم ہوتے ہیں۔''

بحیثیت امتِ مسلمہ ہم پر یہ فرض ہے کہ باطل کو شکست دے کر حق کو سربلند کر کے اللہ کے امر کو غالب کریں۔ اس کے لیے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اصلاحی کوششیں از بس ضروری ہیں۔ مسلم ممالک میں تمام مسلم جماعتیں متحد ہو کر کفار کے اتحاد اور ناپاک عزائم کو ناکام بنانے اور تخریب کاری کا سر کچلنے کے لیے ان کی تخریب کاریوں کا رخ انہی منافقین وکفار کے گروہوں کی طرف موڑ دیں اور ان کا اتحاد پارہ پارہ کرنے اور اپنے اتحاد کو برقرار رکھنے کی کوششیں کرتے رہیں' تاکہ عالمِ اسلام کو متحد کرنے کا مشن پورا ہو اور اللہ کی سرزمین پر حق کا پرچم سربلند ہو۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے!

❁❁❁

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خُدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں :

۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لیے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی۔

۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I, II, III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لیے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لیے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-35869501

Email: distancelearning@tanzeem.org

سانحۂ کربلا اور شہیدِ مظلوم رضؓ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت و عظمت کی صحیح تصویر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب اور آپ کی مظلومانہ شہادت کے بیان پر جامع تالیف

- یہود نے عہد صدیقیؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا' آتش پرستانِ فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا تھا۔
- وہ آج بھی قاتلِ خلیفۂ ثانیؓ ابولولو فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں۔
- علی مرتضیٰؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی قاتلینِ عثمانؓ کی سازش کا شکار ہوئے۔
- سید الشہداء کون ہیں اور شہیدِ مظلوم کون؟ تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لئے

بانی تنظیم اسلامی

محترم **ڈاکٹر اسرار احمد** رحمۃ اللہ علیہ

کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں

کا مطالعہ کیجئے

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت

اشاعت خاص: 85 روپے اشاعت عام: 55 روپے

(علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-35869501

email:maktaba@tanzeem.org

Sep 2018
Vol.67

Regd. CPL No. 115
No.9

Monthly Meesaq Lahore

Kausar
BANASPATI & COOKING OILS
کچھ خاص ہے اس کھانے میں
KausarCookingOils

رسول اکرم ﷺ کی عظمت، آپؐ کے مقصدِ بعثت، اسوۂ رسول ﷺ کے قرآنی تصور، سیرت نبوی ﷺ کے مختلف گوشوں، خاص طور پر آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے انقلابی پہلو جیسے علمی و عملی موضوعات پر 9 کتابوں کا مجموعہ

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم

از ڈاکٹر اسرار احمدؒ

دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ

516 صفحات پر مشتمل فکر انگیز تالیف

اشاعت خاص (مجلد):
امپورٹڈ آفسٹ پیپر، قیمت: 450 روپے

اشاعت عام (پیپر بیک):
امپورٹڈ بک پیپر، قیمت: 300 روپے

خود پڑھیں۔
دوسروں کو تحفہ
میں دیجیں!

مکتبہ خدام القرآن لاہور

36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور فون: 3-35869501-042

maktaba@tanzeem.org